رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۳۳ برائے ریویو رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۳۳

Rationalism

اِنذر

جلد ۸ جنوری ۱۹۱۳ء نمبر ۱

Conquests of Rationalism

فتوح البرہان

یعنی

پُنرجنم اور راز ہستی

یا

سوامی دیانند اور باطل پرستی

(قیمت فی جلد بلا محصول ڈاک ۱؍)

ایڈیٹر۔ سید القلم غازی محمود دھرم پال بی۔ اے

لاہور

سالانہ قیمت تین روپے (سہ) ممالک غیر ۵ شلنگ۔ پرچہ ہذا بلا محصول ڈاک ۱؍

میرے گورو مہاراج کا خط

۴-جون ۱۹۰۲ء کو مجھے آریہ سماج میں داخل کرنے والے۔ مجھے چوٹی اور جنیو دینے والے میرے گورو مہاراج بزرگوار منشی نرائن کشن جی اپنے ۷-جنوری ۱۹۱۳ء کے کارڈ میں لکھتے ہیں:

"ہمارے پرانے دوست مسٹر غازی محمود پرانوں کے پران خدا مہربان سے باطنی رہنمائی پاویں۔ آپ کا پرچہ اندر جو غالباً آپ کو تدریج بالکل بند کر دینا پڑیگا۔ ہمارے لئے ہرگز کارآمد نہیں ہے۔ اگر وی-پی آیا۔ تو واپس کیا جاویگا۔ نوٹ کریں۔ والسلام"

آپ کا خیر اندیش۔ نرائن کشن گورنمنٹ پنشنر

اپنے گورو مہاراج کے مذکورۂ بالا کارڈ کو پڑھ کر مجھے سخت افسوس ہوا۔ اس لئے نہیں۔ کہ آپنے اندر کی خریداری بند کر دی ہے۔ اس لئے نہیں کہ آپ نے اندر کے بالکل بند ہو جانے کی پیشینگوئی کر دی ہے۔ یہ معمولی باتیں ہیں۔ بلکہ مذکورہ بالا کارڈ کو پڑھکر مجھے جس بات کا افسوس ہوا وہ یہ ہے۔ کہ آریہ سماج کے وہ کارکن جو کسی زمانہ میں مردم پرستی اور باطل پرستی کے سخت دشمن ہوتے تھے۔ آج خود اس قدر مردم پرست اور باطل پرست ہو گئے ہیں۔ کہ وہ باطل پرستی اور مردم پرستی کے برخلاف ایک لفظ تک بھی پڑھنا اور سننا گوارا نہیں کر سکتے۔ زمانہ کی یہ عجیب لیلا ہے۔ میرے گورو مہاراج کو چاہئے تھا۔ کہ وہ شانتی اور دھیرج سے میرے مضامین کا مطالعہ کرتے۔ اگر وہ ان کو درست سمجھتے۔ تو آریہ سماج کے سچے اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے اور اگر وہ ان کو غلط سمجھتے تو وہ ایک بہادر کی طرح ان کی تردید کے لئے میدان میں نکل آتے۔ لیکن اُنہوں نے ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی نہ کی۔ بلکہ ایک ڈرپوک۔ بزدل اور بے ہمت شخص کی طرح پرچہ پڑھنے سے ہی انکار کر دیا۔ وہ اس بزدلی کا نام بائیکاٹ رکھتے ہیں۔ حالانکہ میں اس کو اپنی عظیم الشان فتح سمجھتا ہوں۔ اندر اگر بالکل بند ہو جائے۔ تو مجھے اتنا بھی افسوس نہیں ہوگا۔ جتنا کہ مجھے اپنے بوٹ کے ایک تسمہ کے ٹوٹنے کا افسوس ہو سکتا ہے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں۔ کہ خداوند قدوس نے مجھے تحریر کی طاقت سے بڑھکر تقریر کی طاقت دی ہے۔ اگر میرے پاس تحریری کام جاری رکھنے کے تمام ذرائع ختم ہو جائینگے۔ تو میں تقریر کی خداداد دولت کا استعمال کرنا شروع کر دونگا۔ بہرکیف میں ان مردہ انسانوں کو جو مکہ مدینہ کی دیواروں پر "باطل پرستی" کا جھنڈا گاڑنے کا خواب دیکھنے کی ڈینگ مارتے تھے۔ اتنا ضرور بتا دینا چاہتا ہوں۔ کہ مکہ مدینہ کا راستہ کیسا خطرناک ہے؛

دھرم پال

اندر

جنوری سنہ ۱۹۱۳ء

پہلی فصل

اواگون کے وہم
کو
ریشنلزم کا آخری جھٹکا

دوستو!

آپ "وید اور سوامی دیانند" کے نام سے اندر کا نومبر کا پرچہ دیکھ چکے ہیں۔ اور آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ کہ بطور ایک ریشنلسٹ کے میں کیوں ویدوں کو خدا کا کلام نہیں مانتا ہوں۔ اسی سلسلے میں آپ نے دسمبر کا پرچہ "ستیارتھ پرکاش اور سوامی دیانند" کے نام سے بھی پڑھ لیا ہے۔ اور آپ کو بتایا جا چکا ہے کہ بطور ایک ریشنلسٹ کے ہیں کن وجوہات کی بنا پر "اواگون" کو ایک بدترین قسم کی باطل پرستی سمجھتا ہوں۔ میں نے اندر کے گزشتہ پرچے میں "اواگون" کے فضول وہم پر بحث کرتے ہوئے اخیر میں آپ سے یہ وعدہ کیا تھا۔ کہ اب میں اس آخری جھٹکے کا ذکر کرونگا۔ کہ جس کے لگتے کے ساتھ ہی "اواگون"

کے فضول وہم کا شیشہ رَیشنلزم کے سنگلاخ فرش پر گر کر چور چور بلکہ ریزہ ریزہ ہوگیا۔ میرے آج کے بیان کو سنکر آپ کو اس بات کا بھی صحیح صحیح اندازہ لگانے کا موقع ملیگا۔ کہ ایک ریشنلسٹ کسی مسئلے کا فیصلہ کرنے کے لئے اپنے آپ کو کیسی کیسی مشکل منزلوں کے اندر سے گزارنے پر مجبور ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بعض اوقات اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ بشرطیکہ اس کو یہ یقین ہو۔ کہ اپنی جان پر کھیل جانے سے حق وحقانیت کے چہرہ پر سے ایک نقاب اُٹھ جائیگا۔ میرے آج کے بیان سے اُن لوگوں کی اس بات کی بھی بڑے زوردار الفاظ میں عملی تردید ہو جائیگی۔ جو یہ کہتے ہیں۔ کہ میں کسی تحقیقات کی بنا پر نہیں بلکہ کبھی پیدائشی یا نسلی تعصب یا شخصی کدورتوں کی بنا پر یہ مضامین نکال رہا ہوں۔ میں اس بات کا اقبال کر چکا ہوں۔ اور آج بھی اقبال کرتا ہوں۔ کہ میں کسی وقت "اواگون" کے مسئلہ کا قائل تھا۔ لیکن میں اس مسئلے کو کیوں ترک کرنے کے لئے مجبور ہؤا۔ اس کے متعلق بہت کچھ پچھلے پرچہ میں بحث کی جا چکی ہے۔ آج میں اس پہلو میں اپنی تحقیقات کے دوسرے حصّے کو پیش کرونگا۔ آج سے دو سال پیشتر میں نے فروری سنہ ۱۹۱۱ء کے اندر کے پرچے میں مفصلۂ ذیل مضمون لکھا تھا:۔

رشی دیانند کا پُنر جنم

"رشی دیانند کے جیون چرتر مصنفہ پنڈت لیکھرام جی کے صفحہ ۸۶۷ پر لکھا ہے۔ کہ رشی نے جودھپور جانے سے پہلے یہ کہا تھا۔ کہ شریر کا اب کچھ بھروسا نہیں۔ نہ جانے کس وقت چھوٹ جائے۔ مگر میں اس کام کے لئے پھر دوبارہ جنم لونگا۔ اور اس وقت جو میرے وردھ ہوئے ہیں۔ وہ سب شانت ہو جائینگے آریہ سماجوں کی ترقی سے بھی بڑی بھاری مدد ملیگی۔ میں اس وقت وید کا بقیہ بھاشیہ بھی کرونگا۔ (صفحہ ۸۶۷)

یہ تو نہیں ہو سکتا تھا۔ کہ رشی دیانند کا یہ کتھن متھیا ثابت ہوتا۔ کیونکہ وہ آپت پرش۔ ستیہ وکتا اور پورن یوگی تھے۔ اس لئے رشی دیانند کے اس کتھن انوسار یہ ضروری ہے۔ کہ وہ اپنے ادھورے کام کو پورا کرنے کے لئے جنم دھارن کریں۔ اس میں سندیہہ نہیں۔ کہ جو لوگ پہلے رشی کی مخالفت کیا کرتے تھے۔ وہ اب اس کا عزت سے نام لیتے ہیں۔ اور آریہ سماجوں کی تعداد بھی بہت بڑھ گئی ہے۔ رشی کے کتھن انوسار اب سمے آ گیا ہے۔ جبکہ وہ پرگٹ ہوں۔ ہم نے سنیاسی مہاتماؤں کو کہتے سنا ہے۔ کہ رشی دیانند نے اپنے وچن انوسار شریر دھارن کر لیا ہے اور وہ کشمیر میں اُتپن ہوئے ہیں۔ اور اس وقت ہماچل کے دامن میں ایک سنسان جنگل میں وہ ایک مہایوگی کیشورانند سنیاسی کے پاس پہلے کی طرح برہمچریہ برت پالن کرنے اور ویدوں کے پٹھن پاٹھن میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے۔ کہ وہ اس وقت تک دو وید پاٹھ کر چکے ہیں۔ یدی یہ منگل سماچار ستیہ ہیں۔ تو ہمیں اس دن کی بڑے اتساہ سے انتظاری کرنی چاہیئے۔ جبکہ رشی دیانند کا دوبارہ ظہور ہو۔ کئی سنیاسی مہاتماؤں کو ہم نے یہ بھی کہتے سنا ہے۔ کہ وہ رشی دیانند کے درشن بھی کر آئے ہیں۔ پرنتو چونکہ یہ نشچے ہے۔ کہ یدی اُن کا پتہ ابھی سے پرگٹ ہو گیا۔ تو دوست و دشمن اُن کے گرد جمع ہو جائینگے۔ اس لئے اُن کے وید ادھیین میں بگھن پڑیگا۔ اس لئے ان کا پتہ گپت ہی رکھا جاتا ہے۔ رشی دیانند تو کہ گئے ہیں۔ کہ آریہ سماجوں کی ترقی سے اُن کو بہت مدد ملیگی۔ پرنتو ہمیں نشچے ہے۔ کہ وہ موجودہ آریہ سماج کو اپنے کام کے راستہ میں بہت ہارج پائینگے۔ اور وہ یہ دیکھ کر حیران ہونگے۔ کہ جس ضد تعصب ہٹ دھرمی۔

مکاری کو دنیا سے دور کرنے کے لئے وہ آریہ سماج کو قائم کر گئے تھے۔ آج آریہ سماج کے اکثر کارکن بھی دیگر مت متانتروں کے معتقدوں کی طرح چھل اور کپٹ کرنے سے بھی نہیں کرتے۔ جیسے مسلمان مسلمانوں کو چھوڑ کر باقی سب کو کافر سمجھتے ہیں۔ ویسے ہی آریہ سماج کے آدمی بھی اُن آدمیوں کو چھوڑ کر جو آریہ سماج کے رجسٹر میں نام لکھوا چکے ہوں۔ یا ہندو ہوں۔ باقی سب دنیا کو ملیچھ اور اشدھ خیال کرنے لگ گئے۔ حالانکہ سوامی دیانند نے اُن کو ایسی مطلق تعلیم نہیں دی تھی۔ لکھنے کا نابت پر یہ کیول اتنا ہی ہے۔ کہ رشی دیانند کو اگر کسی بات سے دکھ ہوگا۔ تو وہ آریہ سماج کی اوستھا سے ہوگا۔ اور وہ اپنی پہلی محنت کو جو کہ اُنھوں نے منش ماتر میں بھراتری بھاؤ کو پیدا کرنے کے لئے کی تھی۔ رائیگاں دیکھ کر بہت دُکھی ہونگے۔ اور اُن کو از سر نو آریہ سماج کی ستھاپنا کرنی پڑیگی یہ اشچریہ کی بات نہیں ہے۔ کہ رشی دیانند کے پاس آریہ سماج کے وشے میں سرو برتانت پہنچتے رہتے ہوں۔ یدی ہمارے سادھو سنیاسیوں کی سُوچنا ستیہ ہو۔ تو ہم رشی دیانند کو بہت جلدی ہی اپنے جسم یا سپرٹ کے ساتھ اپنے اندر کام کرتا ہوًا دیکھ لینگے۔

پہلے جنم میں رشی دیانند نے چالیس برس کی عمر میں کام شروع کیا تھا۔ غالباً وہ اب بھی چالیس ہی برس کی اوستھا میں پرگٹ ہونگے۔ اُس وقت وہ آریہ سماج کا بھی سدھار کرینگے۔ آریہ سماج کے کتنے ہی لیڈروں کو دیکھ کر وہ بڑے حیران ہونگے۔ کہ یہ ناستک کہاں سے سماج میں آگھسے۔ میں نے تو ایسی تعلیم نہیں دی تھی۔ کہ کہو کچھ اور کرو کچھ میں تو ویدک دھرم کے پرچار کی ہدایت کر گیا تھا مگر یہ لوگ کسی اور ہی بات

کا پرچار کر رہے ہیں۔ اے رشی! تو اپنے جسم یا سپرٹ کے ساتھ جلدی ہی ہم میں آ۔ اور اُن منشوں کو جو تیرا نام لیکر دھرم کی آڑ میں بکاری کر رہے ہیں۔ اور سرل آتماؤں کا ناش کر رہے ہیں۔ دنڈ دے۔ اے رشی! اس سمے تیری ہی اوشکتا ہے۔ ہمارا وشواس تو انسانوں پر سے اُٹھ گیا ہے۔ ہم تو اب تیری ہی راہ دیکھ رہے ہیں۔ تو ستیہ وکتا اور آپت پرش تھا تو نسندیہہ اپنی پرتگیا کا پالن کریگا*

آج سے دو سال پیشتر راندر کے فروری ۱۹۱۱ء کے پرچہ میں جب یہ مضمون چھپا۔ تب بہت سے اخبارات نے اس پر کھلی اڑائی۔ اور تعجب کی بات یہ ہے۔ کہ اس مضمون پر کھلی اڑانے والے اخبارات میں سے کئی ایک ایسے بھی تھے۔ جو اواگون یا تناسخ کے معتقد اور پرچارک اور کٹر دیانندی تھے۔ ان لوگوں کے تمسخر اور ٹھٹھول کو دیکھ کر میرے دل میں قدرتاً یہ سوال پیدا ہوا۔ کہ اگر "اواگون" کا مسئلہ درست ہے۔ اور یہ لوگ سوامی دیانند کو بھی آپت پرش اور ستیہ وکتا مانتے ہیں۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ یہ لوگ اس تحریر پر کھلی اڑاتے ہیں۔ جو کہ اُنہوں نے سوامی دیانند کے قول کی بنا پر خود اپنی کتاب میں درج کی ہے۔ کیا "اواگون" کا مسئلہ جھوٹا مسئلہ ہے۔ کیا "سوامی دیانند" نے دوبارہ جنم لینے کے بارے میں جو کچھ کہا تھا۔ وہ محض جھوٹ تھا۔ کیا اپنے قول کے مطابق سوامی دیانند نے دوبارہ جنم نہیں لیا۔ اس قسم کے درجنوں سوالات اور شکوک میرے حق پسند اور متلاشی دل میں پیدا ہونے لگے۔ چونکہ سوامی دیانند کے کشمیر کے جنگلوں میں جنم لینے کا سوال ایک ایسا سوال نہیں تھا۔ کہ جس کا جواب دلائل کے ذریعہ دیا جا سکتا۔ بلکہ یہ محض تلاش کرنے کا سوال تھا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ میں نے اس مضمون پر زیادہ بحث نہ کی۔ بلکہ میں نے اپنے آپ کو اس بات کی تیاری پر لگایا۔ کہ اگر تحقیقات مدنظر ہے۔ تو اُس جنگل میں پہنچنا چاہیئے۔ جہاں پر کہ سوامی دیانند کے دوبارہ جنم لینے کی بابت کہانی سنائی جاتی ہے۔ وہاں پہنچ کر خود ہی

حق وحقانیت کا فیصلہ ہو جائیگا۔ جب میرا یہ ارادہ پختہ ہو گیا۔ تو میں نے ۲۸۔جون ۱۹۱۲ء کے اندر کے پرچہ میں یہ نوٹ شائع کر دیا:۔

سفر ہمالیہ

"میں ایک ضروری کام کے لئے ہمالیہ جا رہا ہوں۔ امید ہے۔ میں جلدی ہی واپس آجاؤنگا۔ مبادا مجھے وہاں زیادہ دیر لگ جائے میں اندر کے باقاعدہ نکلنے کا انتظام کر چلا ہوں۔ میرے نام کے ضروری خطوط بدستور سابق لاہور ہی آنے ضروری ہیں۔" دھرم پال

اندر کا یہ پرچہ ۲۶۔جولائی ۱۹۱۲ء کو ڈاک میں ڈالا جا چکا تھا۔ لیکن مجھے ایک دو ضروری باتوں کا فیصلہ کرنے کے لئے تین چار روز تک لاہور میں ہی ٹھیرنا پڑا۔ اس اثناء میں بعض دوستوں کی طرف سے بڑے تشویش بھرے خطوط میرے پاس پہنچے۔ کہ میں کہاں اور کیوں جا رہا ہوں۔ چونکہ ان خطوط کا جواب دینے کے لئے میرے پاس کافی وقت نہیں تھا۔ اس لئے میں لاہور سے چل پڑا۔ مگر اثناء سفر میں ایک جگہ سے مفصلہ ذیل مضمون لکھ کر اندر میں بھیج دیا:۔

سوامی دیانند کی تلاش

"اندر کے پچھلے پرچہ میں میں نے چند سطری نوٹ لکھا تھا۔ اس کو پڑھ کر میرے کئی بہی خواہوں نے مجھ سے دریافت کیا۔ کہ میں کیوں اور کہاں جا رہا ہوں۔ بعض احباب نے تو میرے اس نوٹ کو پڑھ کر گھبراہٹ کا بھی اظہار کیا تھا کہ نہ معلوم میں کدھر جانے لگا ہوں۔ مجھے چونکہ لاہور میں زیادہ دیر تک ٹھیرنے کا موقع نہیں تھا۔ اس لئے میں اپنے احباب کو وہاں سے جواب نہ دے سکا۔ یہاں تک کہ میرے دوست مسٹر شب ورتن لال

ورمن ایم - اے ایڈیٹر سادھو کا امریکہ سے جو خط مجھے لاہور ملا تھا
میں اس کا بھی جواب نہ دے سکا۔ آج جبکہ کئی دن کے سفر کے بعد
میں ہمالیہ کے پرفضا مگر گھنے جنگل میں بیٹھا ہوا ہوں۔ ضروری
معلوم ہوا۔ کہ میں اُن خطوط کا جو کہ میری موجودگی میں لاہور
پہنچے تھے۔ بذریعہ اخبار ہی جواب دیدوں۔ اپنے دوستوں کی تشویش
کو دور کرنے کے لئے میں اتنا لکھ دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ
لاہور سے میں کسی دنیوی غرض کی خاطر جنگل میں نہیں آیا ہوں
بلکہ مجھے سوامی دیانند کی تلاش کھینچ لائی ہے۔ راندر کے ناظرین
کو یاد ہوگا۔ کہ گزشتہ سال کسی پرچے میں میں نے لکھا تھا۔
کہ بعض سنیاسیوں نے مجھے بتایا ہے۔ کہ سوامی دیانند نے
دوبارہ جنم لیا ہے اور وہ کشمیر میں پیدا ہوئے ہیں۔ اور فلاں جگہ
ایک گھنے جنگل میں رہتے ہیں۔ سوامی دیانند کے دوبارہ جنم
لینے کا ذکر آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب کی طرف سے شائع کردہ
سوامی دیانند کی سوانح عمری میں بھی آتا ہے۔ میں نے جب گزشتہ
سال یہ نوٹ لکھا تھا۔ تو بعض دیانندی اخبارات نے جو بظاہر
پنر جنم کے مسئلے کے قائل ہیں۔ مگر غالباً وہ دل سے اس بات
کو تسلیم نہیں کرتے کہ انسان کی روح گھاس پات اور دال بھاجی
کے ذریعے نگلی جا کر انسان کے پیٹ میں سے ہو کر بذریعہ مادہ
تولید دوبارہ جسم اختیار کرتی ہے۔ میری تحریر پر مخول اڑایا تھا
مگر اُن کا مخول اس بات کی علامت تھی۔ کہ وہ تمام ویدک
سدھانتوں کو محض ہاتھی کے دانت مانے بیٹھے ہیں۔ ورنہ ان میں
کسی قسم کی حقیقت کی جھلک نہیں دیکھ سکتے۔ خیر! یہ جملہ
معترضہ ہے۔ چند ہفتے ہوئے کہ لاہور میں دریائے راوی کے
کنارے پر سیر کرتے ہوئے مجھے ایک سادھو سے ملنے کا موقعہ ملا
اس نے بھی اس بات کی تائید کی۔ کہ سوامی دیانند اپنے قول

کا سچا تھا۔ جب وہ یہ کہ گیا ہے۔ کہ وہ دوبارہ جنم لیگا۔ تو سمجھو کہ اُس نے ضرور دوبارہ جنم لے لیا ہے۔ اس نے بھی اسی جنگل کا ذکر کیا۔ جس کا کہ اس سے پہلے سادھوؤں نے مجھ سے کیا تھا۔ یہ سوچ کر کہ جس صورت میں کہ دیانندی مہاشے ہزاروں کی تعداد میں کانگڑی کے نام نہاد بلکہ بدنام نہاد گوروکل کے لڑکوں کے چہروں اور اندر دھسی ہوئی عینک لگی ہوئی آنکھوں کو دیکھنے کے لئے دور دراز سے جنگل میں پہنچتے ہوں۔ تو کیا مجھے سوامی دیانند کی تلاش میں جنگل کا راستہ نہیں لینا چاہئے۔ خاصکر اس صورت میں جبکہ مجھے بتایا جاتا ہو۔ کہ سوامی دیانند نے جنم دھارن کر لیا ہے۔ اور ان کے جنم دھارن کرنے کا ذکر خود اُن کی سوانح عمری میں ان کی اپنی زبانی بھی موجود ہو یورپ کے اہل ہمت قطب شمالی کی دریافت میں جان کو ہتھیلی پر رکھکر برفوں کے سمندروں کو عبور کریں۔ مگر ہمارے دیانندی بھائیوں کو بتایا جاوے۔ کہ سوامی دیانند اپنے وعدے کے مطابق پیدا ہو چکا ہے۔ لیکن اُن کے دل میں اُن کی تلاش کے لئے کوئی شوق پیدا نہ ہو۔ مگر میں نے اس بات کو محض کانوں سے سُن کر ہی یا اخبار میں لکھ کر ہی خاموش ہو جانا مناسب نہ سمجھا۔ بلکہ میں اُن کی تلاش میں لاہور سے چل پڑا۔ اور کشمیر کے اس جنگل کا رُخ کیا۔ جہاں کہ مجھے پتہ دیا گیا تھا؛

آج جبکہ میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں۔ میں ایک اونچے پہاڑ پر ایک پُر فضا جنگل میں بیٹھا ہُوا ہوں۔ یہاں تک پہنچنے میں مجھے بڑی بڑی دقتوں کے اندر سے گزرنا پڑا ہے۔ راستہ بہت خراب تھا۔ پانی کمیاب تھا۔ گرمی سخت تھی۔ پتھر مارے گرمی کے جھلسے جا رہے تھے۔ ابھی مجھے منزل مقصود تک پہنچنے میں کئی روز اور لگینگے۔ میرا یہ راستہ جموں کی طرف سے شروع ہوتا ہے۔ لاہور سے

چل کر مجھے چند گھنٹوں کے لئے وزیر آباد میں ڈاکٹر جمنا داس صاحب اسسٹنٹ سرجن کے پاس ٹھیرنا تھا۔ ڈاکٹر صاحب سے چند گھنٹے بات چیت کر کے میں رات کو دو بجے کی گاڑی وزیر آباد سے سوار ہو کر صبح جموں پہنچا ایک دن جموں میں قیام کیا اور وہاں سے راستے کے بارے میں ضروری واقفیت بہم پہنچا کر تیسرے روز وہاں سے پیدل چل پڑا۔ جس طرح ایک سچا عاشق اپنے معشوق کی تلاش میں جنگلوں اور بیابانوں میں مارا مارا پھرتا ہو۔ اسی طرح سوامی دیانند کی تلاش میں شہروں کے آرام کو چھوڑ کر جنگلوں میں پھر رہا ہوں۔ اگرچہ میرے دل میں سوامی دیانند کے لئے اتنا عشق تو نہیں ہے۔ جتنا کہ ہونا چاہیئے۔ مگر پھر بھی میں ان کی تلاش میں سرگردان ضرور ہوں کیونکہ میرا خیال ہے۔ کہ میرے دل میں ویدوں کے بارے میں جو شکوک اُن کے بھاشیہ کو پڑھ کر پیدا ہو گئے ہیں۔ اور جن کی بنا پر میں نے ویدوں کو الہامی ماننا چھوڑ دیا ہے۔ وہ شکوک سوائے اُن کے آریہ سماج میں کوئی دوسرا شخص رفع نہیں کر سکتا۔ علے ہذالقیاس آریہ سماج کے بارے میں بہت سی دوسری ضروری باتیں بھی ہیں۔ جو میں اُن سے پوچھنا چاہتا ہوں کیونکہ ان کا جواب بھی آج تک آریہ سماج میں سے کسی نے نہیں دیا +

اگر اس تلاش میں مجھے سوامی دیانند کے درشن نہ ہوئے۔ تو میں سمجھونگا۔ کہ اُن کی سوانحمری میں ان کے دوبارہ جنم لینے کے بارے میں ان کی اپنی زبانی جو الفاظ درج کیئے گئے ہیں۔ وہ محض جھوٹ اور بناوٹ ہے۔ اور یہ ان لوگوں کی شرارت ہے جنھوں نے سوامی دیانند کے نام کو اپنے دنیوی مقاصد کی تکمیل کے لئے محض ایک آڑ بنا رکھا ہے۔ میں اس سے یہ بھی نتیجہ

نکالوں گا کہ سوامی دیانند کی دیگر کتابوں میں بھی جس قدر گڑبڑ نظر آتی ہے۔ وہ سب اُن ہی لوگوں کی ہے جو سوامی دیانند کے نام کو بدنام کرنے والے ہیں۔ ایک حیرانی کی بات یہ بھی ہے کہ بعض دیانندی اخبارات میں آئے دن ایسی لڑکیوں کے حالات شائع ہوتے رہتے ہیں۔ جو کہ اپنے پچھلے جنم کا پتہ دیتی ہیں دیانندی لوگ ان تمام حالات کو بالکل صحیح مان لیتے ہیں۔ گو اُس کے ساتھ یہ بھی پڑھنے میں آتا ہے۔ کہ ایسی کمسن لڑکیوں کی شادی اُن کے پہلے بوڑھے خاوندوں سے ہی ہو جاتی ہے۔ جو کہ اُن کے دادا کی عمر کے ہوتے ہیں۔ اور دیانندی اخبارات جو بظاہر شادی صغر سنی کے برخلاف شور مچایا کرتے ہیں ایسی شادیوں کے برخلاف اس بنا پر کوئی نوٹ نہیں دیتے۔ کیونکہ ان کے زعم میں ان چھوٹی لڑکیوں کی شادی اُن کے پچھلے جنم کے خاوندوں سے جو کہ عمر میں اُن سے آٹھ دس گنا بڑے ہوتے ہیں۔ ہو جانی ضروری ہے۔ گو ہم ان باتوں کو کہ وہ لڑکیاں اُن ہی خاوندوں کی پچھلے جنم کی بیویاں ہوتی ہیں محض فضول وہم سمجھتے ہیں۔ اور ہم ان توہمات کے قائل نہیں ہیں۔ مگر اب اگر ہمیں سوامی دیانند کا پتہ مل گیا۔ تو یقیناً ہمارے دیانندی بھائی اُن لڑکیوں کی نسبت جن کا کہ وہ اپنے اخبارات میں ذکر کیا کرتے ہیں۔ سوامی جی کا زیادہ شوق سے ذکر کرینگے اور اُن کو خوش آمدید کہینگے اگر سوامی دیانند نہ ملے تو سمجھنا چاہئیے کہ اُن کے دوبارہ جنم لینے کی بابت جو کچھ ان کی سوانح عمری میں لکھا گیا ہے وہ محض جھوٹ ہے اور کہ سوامی دیانند کے نام سے اس قسم کی جھوٹی گپیں اُن کی دیگر کتابوں میں بھی لوگوں نے بھر دی ہیں۔" (اندر ۱۲۔ جولائی ۱۹۱۲ء)

مذکورہ بالا تحریر اثناء سفر سے روانہ کی گئی تھی۔ لیکن جب میرا تمام

سفر ختم ہو چکا۔ اور سوامی دیانند کی تلاش میں مجھے قطعی ناکامیابی ہوئی تو میں نے ۲۶۔ جولائی ۱۹۱۲ء کے اندر کے پرچے میں مفصلۂ ذیل مضمون شائع کیا :-

سوامی دیانند کی تلاش

"اندر کے گزشتہ پرچہ میں لکھا جا چکا ہے۔ کہ میں سوامی دیانند کی تلاش میں لاہور سے چل پڑا۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس تلاش کے نتیجہ کو پبلک کے سامنے رکھا جاوے۔ چنانچہ میں مختصر الفاظ میں اس کو بیان کرونگا۔ مجھے بتایا گیا تھا۔ کہ جموں اور کشمیر کی سرحد کے نزدیک ایک گھنا جنگل ہے۔ سوامی دیانند دوبارہ جنم لے کر اسی جنگل میں رہتے ہیں چنانچہ میں اسی جنگل میں سوامی دیانند کی تلاش کے لئے لاہور سے یکم جولائی کو روانہ ہو پڑا۔ یکم جولائی کو وزیر آباد میں ڈاکٹر جمنا داس صاحب اسسٹنٹ سرجن کے ہاں قیام کیا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے وزیر آباد میں سرکاری ہسپتال کا چارج لیکر اس میں بہت قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ آپ مریضوں کا نہایت محبت اور پریم سے علاج کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ دور دور کے علاقوں سے مریض آپ کے پاس علاج کے لئے آتے ہیں آنکھوں کے مریضوں کو آپ کے ہاتھ سے خصوصیت سے شفا حاصل ہوتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کی شخصیت نے وزیر آباد میں ہندو مسلمانوں کے باہمی تفرقات کو کم کرنے میں بڑی مدد دی ہے۔ آپ آریہ سماج کے بہی خواہ ہیں۔ مگر آجکل کے دیانندیوں کی طرح نہ تو آپ ہندو مسلمانوں کے جھگڑوں میں دخل دیتے ہیں نہ ہی وہ دیانندیوں کی طرح لکیر کے فقیر ہیں۔ بلکہ وہ بہت آزاد خیالات رکھنے والے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب سے رخصت ہو کر

۲- جولائی کو میں جموں پہنچا- چونکہ میرے پاس اسباب کسی قدر زیادہ تھا- اور راستہ دور دراز کا تھا- اس لئے جموں سے مجھے دو قلی اور ایک خچر کی ضرورت تھی- مگر تلاش کرنے پر معلوم ہوا کہ قلی یہاں سے نہیں ملتے- خچر ہی باربرداری کا کام دیتے ہیں خچروں کے ٹھیکہ دار کو کہا گیا کہ وہ ایک خچر کا انتظام کر دے- مگر اُس نے جواب دیا کہ ایک خچر نہیں مل سکتا- مگر دو مل سکتے ہیں- اس کی وجہ اُس نے یہ بتائی- کہ خچروں کے مالک ایک خچر لے کر باہر نہیں جاتے- بلکہ وہ اپنی تمام خچروں کو ایک دم بار برداری پر باہر لے جاتے ہیں- اتفاقاً ایک دوسرا شخص اسی راستہ پر جانے والا مل گیا- چنانچہ ایک خچر اُس نے لیا اور ایک میں نے- خچروں پر اسباب لاد کر میں ۳- جولائی کو جموں سے چل کر نگروٹہ نامی پڑاؤ پر پہنچا- جہاں پر ایک ندی کے کنارے رات کاٹی- دوسرے دن علی الصباح نگروٹہ سے چل کر جلتی ہوئی دھوپ میں دوپہر کو شتالی نامی گاؤں میں پہنچا اس جگہ ایک نہایت ہی صاف وشفاف ندی بہتی ہے- جس کا نام جھجر ہے- جھجر کا پانی گنگا کے پانی سے بھی زیادہ شفاف ہے چنانچہ دوپہر کے لئے اس ندی کے کنارے پر ڈیرہ کیا- یہاں پر کئی سادھو بھی رہتے ہیں- جو زیادہ تر ویدانتی ہیں- ندی کے ایک طرف شتالی گاؤں ہے- دوسری طرف کچا پنڈ نامی گاؤں ہے- شتالی میں مہاراجہ امر سنگھ صاحب مرحوم کا بنایا ہوا ایک چھوٹا سا مندر بھی ہے- ندی ایک اونچے پہاڑ سے ٹکراتی ہوئی گذرتی ہے- اس پہاڑ سے جا بجا اس میں پانی جھرتا ہے- جو کہ نہایت ہی شفاف اور خوش ذائقہ ہے- میں اس ندی کے کنارے پر ماتما کی قدرت کے نظاروں کو دیکھ کر آنندت ہوا- نوکر نے کھانا تیار کیا- نہا دھو کر اور کھانا کھا کر میں ۳ بجے کے قریب اس پرفضا جگہ سے چل پڑا- اور

شام کو ایک دوسری ندی پر جس کا نام ودُور ہے جاکر ڈیرہ کیا
دُور کا پانی جنجھر کی مانند صاف وشفاف نہیں ہے۔ مگر اُس کے
کنارے جا بجا پہاڑی چشمے جاری ہیں۔ جن کا پانی نہایت شیریں
ہے۔ رات کو ایک جگہ ایک چشمہ پر قیام کیا۔ چونکہ نوکر میرے
ساتھ تھا اور کھانے پینے کا سامان بھی کسی قدر ساتھ رکھ لیا تھا
اور کچھ اردگرد سے مل جاتا تھا۔ اس لئے مجھے راستے میں کھانے
پینے کی کوئی دقّت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ ودُور سے چل کر
۵۔ جولائی کو میں ادھم پور پہنچا۔ ادھم پور ایک اچھّا آباد قصبہ
ہے۔ یہاں پر ریاست کی طرف سے ڈاک بنگلہ بھی بنا ہؤا ہے
ڈاک بنگلہ کے ایک حصہ میں ریاست جموں کے ڈسٹرکٹ انجنیر
سردار گورنکھ سنگھ مقیم تھے۔ دوسرا حصّہ خالی تھا۔ چنانچہ اس
میں میں نے قیام کیا۔ یہ تو ناممکن تھا۔ کہ دو دیسی جنٹلمین ایک
ہی بنگلہ میں مقیم ہوں۔ اور اُن میں کوئی بات چیت نہ ہو سردار
صاحب موصوف کو جب میرے نام کا پتہ لگا۔ تو وہ بہت خوش
ہوئے۔ باوجودیکہ میرا نوکر ساتھ تھا۔ اور مجھے کسی قسم کی تکلیف
نہیں تھی۔ مگر پھر بھی سردار صاحب موصوف نے میری مہمان
نوازی میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ چنانچہ ہمارا ڈیڑھ دن ادھم پور
میں بہت لطف سے گزرا۔ ادھم پور سے مجھے خچر تبدیل کرنا پڑا۔
ادھم پور میں بھی ایک پہاڑی ندی ہے۔ جس کو اس علاقے میں
بہت مقدس مانا جاتا ہے۔ چنانچہ اردگرد کے دور دور کے علاقے
سے ہندو لوگ مردوں کی ہڈیاں اس ندی میں گرانے کے لئے آتے
ہیں۔ ۶۔ جولائی کو میں ادھم پور سے چل پڑا۔ سردار صاحب موصوف
بھی روانہ ہوئے۔ چنانچہ اسی روز ہم دھرم تھل نامی پڑاؤ میں پہنچے
جہاں پر ڈاک بنگلہ کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ اس لئے یہاں پر
ہمیں بہ ناتماک کے کھلے ڈاک بنگلہ میں ہی سونا پڑا۔ دوسرے دن

علے الصباح دھرم تھل سے چل کر ہم چرانی نامی گاؤں میں پہنچے سردار صاحب موصوف کو چونکہ ایک سرکاری کام تھا۔ اس لئے وہ آگے نکل گئے۔ اور میں دوپہر کے لئے اسی گاؤں میں ٹھیر ارہا یہ جگہ بہت عمدہ ہے۔ پہاڑی چشمے جابجا جاری ہیں۔ ایک بہت عمدہ چھوٹا سا تالاب بھی بنا ہؤا ہے۔ ہندوؤں کا ایک مندر بھی یہاں پر موجود ہے۔ دوپہر کو چرانی میں بھوجن پاکر میں شام کو جُبہ پہنچا۔ جُبہ میں ڈاک بنگلہ ہے۔ سردار صاحب مجھ سے پہلے اس جگہ پہنچ چکے تھے۔ ڈاک بنگلہ کے پاس ہی ایک میٹھے پانی کا پہاڑی چشمہ ہے۔ یہاں پر کھانے کے لئے کچھ نہیں ملتا۔ کیونکہ گاؤں اس ڈاک بنگلہ سے بہت دور ہے۔ اس بات کا پتہ مجھے پہلے ہی دیدیا گیا تھا۔ اس لئے احتیاطاً کھانے کا سامان پچھلے ہی گاؤں سے ساتھ لے لیا گیا تھا۔ سردار صاحب موصوف جُبہ میں ٹھیر گئے اور میں آگے چلا۔ جُبہ سے پہاڑ کی چڑھائی سر توڑ شروع ہو جاتی ہے۔ جوں جوں پہاڑ پر چڑھا جاتا ہے جنگل گھنا ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ چوٹی پر کئی ہزار فٹ کی بلندی پر دیودار کے درخت آسمان سے باتیں کرتے دکھائی دیتے ہیں اس جنگل میں جنگلی انگور اور انار وغیرہ کے درخت بکثرت ہیں۔ یہی وہ جنگل ہے۔ جہاں پر کہ مجھے سوامی دیانند کی رہایش کا پتہ دیا گیا تھا۔ میں نے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر چاروں طرف نظر دوڑائی اس میں شک نہیں کہ یہ جگہ نہایت ہی دلفریب اور پُر فضا ہے۔ مگر باوجود تلاش کے مجھے یہاں پر سوامی دیانند کے آنے یا رہنے کا کوئی پتہ نہ ملا۔ اس جنگل میں ایک طرف ایک ہندو دوکاندار رہتا ہے۔ جو کہ اس طرف آنے جانے والے مسافروں کے ہاتھ آٹا دال وغیرہ فروخت کرتا ہے۔ اتنا پتہ تو ضرور لگتا ہے۔ کہ اس طرف سے اکثر سادھو سنیاسی گذرتے رہتے ہیں۔ مگر یہ پتہ نہیں ملتا۔

کہ کوئی خاص سنیاسی یا سادھو اس جنگل میں رہتا ہو۔ اس جنگل کے ذرا نیچے جاکر نہایت ہی سرسبز مقام ہے۔ اس جگہ ایک چھوٹا سا گاؤں آباد ہے۔ جس کا نام بٹوت ہے۔ گاؤں کے ایک طرف نہایت ہی خوبصورت پختہ تالاب ہے۔ جس میں پہاڑی چشموں کا پانی پڑتا ہے۔ اس تالاب کے کنارے پر میں نے ڈیرہ لگادیا۔ یہاں پر دو سنیاسیوں سے بھینٹ ہوئی۔ مگر وہ بالکل معمولی تھے۔ میں اُن میں سے کسی کو بھی سوامی دیانند نہیں کہہ سکتا تھا۔ چند منٹ بات چیت کرنے سے ہی مجھے معلوم ہو گیا۔ کہ وہ سادھارن سادھو ہیں۔ اور وہ کشمیر کی طرف جارہے تھے اس میں شک نہیں۔ کہ یہ جگہ نہایت ہی دلفریب اور قدرتی نظاروں کا مخزن ہے۔ اور سادھوؤں سنیاسیوں کے ٹھیرنے کے لئے ایک موزوں جگہ ہے۔ مگر افسوس جس سنیاسی کی تلاش میں میں چلا تھا اور جس کا مجھے پتہ دیا گیا تھا کہ وہ اس جگہ رہتا ہے وہ مجھے یہاں نہ ملا۔ اور نہ ہی اس کا سراغ معلوم ہوا۔ میں ایک حیرانی اور پریشانی کی حالت میں آگے بڑھا اور دریائے چناب کے کنارے کنارے چلا۔ سورج غروب ہونے کو آگیا۔ شام کے وقت جنگل میں ڈیرہ کیا۔ رات کو بارش نے گھیرا۔ جنگل میں بارش سے بچنے کے لئے سوائے درختوں کے اور کیا پناہ ہو سکتی تھی درختوں کے ایک جھنڈ کی طرف اندھیرے میں قدم اُٹھایا۔ پاؤں پھسل گیا اور دھڑام سے کھڈ میں جا گرا۔ مگر قسمت اچھی تھی۔ راستے میں اٹک گیا۔ چوٹیں خوب آئیں لیکن جان بچ گئی۔ باقی کی رات جاگ کر کاٹی۔ اُجالا ہوا۔ تو آگے چلا ۹۔ جولائی کو رام ون میں پہنچا۔ دریائے چناب کے کنارے پر ڈیرہ لگادیا۔ یہ جگہ بہت پرفضا ہے۔ یہاں پر آبادی بھی اچھی ہے۔ ریاست کی طرف سے یہاں پر ڈاک خانہ کا بھی انتظام

ہے۔ اور یہاں پر تلہ گھر بھی ہے۔ میں دریا کے کنارے بیٹھا ہوا تھا اور میرا نوکر بھوجن تیار کر رہا تھا۔ کہ اتنے میں ایک سکھ جنٹلمین میری طرف آیا۔ اس نے میرا نام پوچھا۔ وہ میرا نام سنکر بہت خوش ہوا۔ اُس نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی مگر میں نے اُس کا شکریہ ادا کر کے دریا کے کنارے پر ہی ٹھیرنا مناسب سمجھا۔ اتنے میں اس چھوٹی سی جگہ میں میرے آنے کی خبر مشہور ہوگئی۔ چنانچہ بہت سے جنٹلمین میرے پاس جمع ہو گئے۔ آریہ سماج کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ اثناء گفتگو میں مجھے معلوم ہوا کہ وہاں پر ایک مسلمان مہاشے کو شدھ کرنے کی تجویز ہے۔ اتفاق سے وہ مسلمان صاحب بھی وہاں آگئے کھلی بات چیت ہوتی رہی۔ مجھے معلوم ہوا کہ شدھی کی شرط یہ قرار دی گئی ہے کہ مسلمان مہاشے کو جھٹکا کھلا کر شدھ کیا جاوے۔ مگر وہ یہ کہتا تھا کہ جب میں حلال گوشت بھی نہیں کھاتا۔ تو تم مجھے جھٹکا کیوں کھلانا چاہتے ہو۔ میں اُس شخص کی حالت کو دیکھکر بہت خوش ہوا۔ اور میں نے اُس کو سمجھایا کہ شدھی کی رسم محض پولٹیکل مسئلہ ہے۔ اس کو دھرم یا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جو لوگ آپ کو شدھ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ محض ہندوؤں کی تعداد میں پولٹیکل نقطۂ خیال سے ایک شخص کی زیادتی کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے بڑھکر اور کچھ بھی نہیں۔ اگر وہ آپ کو دھارمک بنانے کے خواہشمند ہوتے۔ تو وہ آپ کو جھٹکا کھلانے پر کیوں زور دیتے۔ جب کہ آپ گوشت سے پرہیز کرتے ہوں۔ اس لئے اس قسم کے پاکھنڈ میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ اس مسلمان مہاشے کی سمجھ میں میری بات آگئی اور شام کے وقت اُس نے شدھ کرنے کا دعوے کرنے والوں سے خوب بحث کی۔ جس میں شدھی کے مدعی میدان سے بھاگ گئے۔ یہ تمام

بحث میرے سامنے ہوئی۔ اور اس میں کئی دوسرے ہندوؤں نے
بھی اس مسلمان مہاشے کی تائید کی۔ اس نظارہ کو دیکھکر مجھے
خوشی بھی ہوئی۔ اور افسوس بھی ہوا۔ خوشی تو اس بات کی ہوئی
کہ ایک روح کو میں نے گمراہی کے گڑھے میں گرنے سے بچالیا
افسوس اس لئے ہوا۔ کہ بعض ناعاقبت اندیش لوگوں نے
شدھی کو ایک پولٹیکل ہتھیار بنا رکھا ہے۔ اور وہ دھرم سے
اس قدر گر چکے ہیں۔ کہ ہندوؤں کی تعداد کو پولٹیکل پہلو سے
زیادہ کرنے کے لئے وہ ناجائز وسائل کا استعمال کرنے سے
بھی نہیں چوکتے :

رام ون سے روانہ ہو کر میں دریائے چناب کے کنارے کنارے
آگے بڑھا۔ دریا عجیب وغریب پیچ در پیچ راستے سے گزرتا ہے
بعض مقامات پر عجیب وغریب نظارہ دیکھنے میں آتا ہے یہاں
ایک جگہ پر دریا پہاڑ کی چٹان سے ٹکر کھاتا ہے۔ اور ٹکر کھاکر
اُس کا نصف پانی آگے گزر جاتا ہے۔ اور نصف پھر پیچھے لوٹ
جاتا ہے۔ گویا ایک ہی جگہ پر دریا کا نصف حصّہ نیچے کی طرف
اور نصف اوپر کی طرف بہتا ہوا نظر آتا ہے۔ اوپر کی طرف
سے جو لکڑی یا درخت دریا میں بہتے آتے ہیں۔ وہ اس جگہ عجیب
بھنور میں پڑ جاتے ہیں۔ اور واپس اوپر کو لوٹ جاتے ہیں۔ اور دریا
کے کنارے پر جا لگتے ہیں۔ اس طرح یہ جگہ دریا میں ایک قسم کے
"دو کانجی ہوس" کا کام دیتی ہے۔ جس میں کہ تمام بھولی بھٹکی لکڑیاں
آکر کنارے پر لگ جاتی ہیں۔ یہ ایک قدرتی نظارہ ہے۔ انسان
کا تراشیدہ نہیں ہے۔ میں نے اس جگہ تقریباً نصف گھنٹہ قیام
کیا۔ انسانی زندگی کے بہت سے مرحلوں کو دریا کی اس دورنگی رفتار
سے عجیب مشابہت نظر آتی ہے۔ یہاں پر آگے جانے کا راستہ
بہت خراب ہے۔ جا بجا چٹانیں گرتی ہیں۔ ایک دفعہ تو خیال

آیا۔ کہ واپس لوٹ جانا چاہیئے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ ایک ماہ پیشتر پہاڑی رو کی طغیانی کی وجہ سے یہاں پر سینکڑوں آدمیوں اور ہزاروں جانوروں کا نقصان ہو چکا ہے۔ یہاں سے چند میل کے فاصلے پر سر بفلک پہاڑ ہیں۔ جن کو عبور کر کے کشمیر کی زمین آجاتی ہے۔ میری تلاش اسی جگہ جنگل کے مقامات تک تھی۔ مجھے یہ تو یقین ہو گیا۔ کہ سوامی دیانند کا یہاں کوئی نام و نشان نہیں ہے۔ میں نے رات ایک گاؤں میں گزاری۔ ارادہ کیا۔ کہ ان پہاڑوں کی چوٹیوں پر ضرور چڑھنا چاہیئے۔ چنانچہ دوسرے دن صبح ہی میں نے اُن پہاڑوں پر چڑھنا شروع کر دیا تین گھنٹے کی چڑھائی کے بعد میں پہاڑ کی سب سے اونچی چوٹی پر چڑھ گیا۔ جہاں پر کہ سخت سرد ہوا چل رہی تھی۔ اور بادل بھی چاروں طرف سے اس چوٹی پر اُمڈے آرہے تھے۔ نیچے اوپر سوائے بادلوں کے کوئی دوسری چیز نظر نہیں آتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ بادلوں کا ایک سمندر ہے۔ جس میں میں کھڑا تھا۔ چند ہی منٹ میں میرے تمام کپڑے بھیگ گئے۔ ایک طرف سرد ہوا کے جھونکے دوسری طرف بادلوں کے ڈھیر۔ ادھر چڑھائی کی وجہ سے تمام جسم پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ چوٹی پر چڑھ کر جو کہ سطح سمندر سے بارہ ہزار فٹ بلند بتائی جاتی ہے میں ایک خوبصورت۔ صاف ستھرے پتھر پر بیٹھ گیا ہوا کے جھونکوں اور بادلوں کے نظارہ نے عجیب کیفیت پیدا کر دی۔ یہ ایک ایسا نظارہ تھا۔ جو کہ کسی بھی پاک روح کو ایشور آنند میں مگن کر دیتا ہے۔ چند منٹ تک خاموش بیٹھا رہا۔ نیچے بھی بادل۔ اوپر بھی بادل۔ دائیں بھی بادل۔ بائیں بھی بادل۔ مگر سوامی دیانند نہ نیچے نظر آیا۔ نہ اوپر۔ نہ دائیں۔ نہ بائیں۔ ایسی محویت کی حالت میں بادلوں میں سے آواز آئی۔ کہ اے وشوشی آتما!

تو کہاں اور دیانند کہاں۔ امر مردم پرستی نے دنیا کو تباہ کیا۔ کیا تو بھی اسی مردم پرستی کے گڑھے میں گرتا ہے۔ دیانند کی تلاش مت کر۔ وہ مر گیا۔ وہ نہ دوبارہ پیدا ہوا نہ ہوگا۔ نہ ہو سکتا ہے۔ تو سچائی کی تلاش کر اور اپنا راستہ آپ بنا۔ اس آسمانی آواز نے مجھ پر بجلی کا سا اثر کیا۔ چنانچہ اسی وقت میں اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔ اور میرے مُنہ سے بے اختیار نکلا کہ بے شک سچائی دیانند سے اعلٰے ہے میں نے اپنی آئندہ زندگی کے پروگرام کو مضبوط کیا۔ اور سوامی دیانند کے دوبارہ جنم لینے کے خیال کو سر سے دور کیا۔ اور میں اس نتیجہ پر پہنچا۔ کہ سوامی دیانند کی سوانح عمری میں جو اُن کے دوبارہ جنم لینے کا ذکر موجود ہے۔ وہ محض جھوٹ اور بکواس ہے۔ سادہ لوح لوگوں کو توہمات میں پھنسانے کے لئے ہی اس کتاب میں ایسا لکھا گیا ہے۔ اور جو بعض سادھو سنیاسی ایسا مشہور کرتے تھے۔ کہ سوامی دیانند نے کشمیر میں جنم لیا ہے۔ اور وہ جموں اور کشمیر کی سرحد پر جہاں پر کہ بٹوت اور رام ون کے جنگل ہیں۔ وہاں رہتے ہیں یہ محض جھوٹ اور گپ نکلی۔ میں بارہ دن کا لمبا چوڑا سفر اور تکالیف برداشت کر کے عین اس جنگل میں پہنچا۔ جہاں کا مجھے پتہ دیا گیا تھا۔ میں مانتا ہوں۔ کہ یہ جنگل بڑا گھنا اور سرسبز ہے۔ یہاں پر پہاڑی چشمے بھی جاری ہیں۔ اور کوئی کوئی سادھو سنیاسی بھی دیکھے جاتے ہیں۔ مگر یہ محض جھوٹ اور گپ ہے۔ کہ سوامی دیانند نے کشمیر میں جنم لیکر وید پڑھ کر اس جنگل میں یوگ ابھیاس کرنا شروع کر رکھا ہے۔ کسی بھی سمجھدار آدمی کو آئندہ اس جھوٹی تحریر پر جو کہ سوانح عمری سوامی دیانند مرتبہ پنڈت لیکھرام میں موجود ہے۔ وشواس نہیں کرنا چاہیئے۔ ہمارے دیانندی بھائیوں نے سادہ لوح صاحب

کو توہمات میں پھنسائے رکھنے کے لئے سوامی دیانند کے نام سے
شائع شدہ کتابوں یا اُن کی سوانح عمری میں اس قسم کی واہیات
باتیں درج کر کے بڑا اترتھ کیا ہے۔ اس قسم کی تمام باتیں محض
جھوٹ بلکہ نقصان دہ ہیں۔ حق وحقانیت کے متلاشیوں کو ایسی
تمام جھوٹی باتوں کے برخلاف آواز اُٹھانی چاہیئے"
(اندر ۲۶ جولائی سنہ ۱۹۱۲ء)

مذکورہ بالا تمام تحقیقات کا مطالعہ کرنے کے بعد کوئی بھی دیانتدار شخص مجھ پر یہ الزام لگانے کی جرأت نہیں کریگا۔ کہ میں نے "اواگون" کے وہم کو بلا سوچے سمجھے یا تحقیقات کئے ہی ترک کر دیا ہے۔ چنانچہ میری اس تحقیقات کا نتیجہ لازمی طور پر یہی ہونا چاہیئے تھا۔ کہ میں "اواگون" کے وہم کو ایک فضول وہم سمجھ کر ریشنلزم کے پتھر پر دے ماروں۔ چنانچہ میں نے اس کو بڑے زور سے پتھر پر دے مارا۔ جہاں پر کہ یہ تودہ طوفان چور چور بلکہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ نہ صرف یہ فضول وہم ہی چور چور اور ریزہ ریزہ ہو گیا۔ بلکہ اس کے ساتھ ہی میرے دل میں یہ سوال بھی پیدا ہوا۔ کہ جن کتابوں میں اس قسم کی باطل پرستی کی تعلیم دی گئی ہو۔ کیا اُن کو خدا کا کلام ماننا بدترین قسم کی دہریت نہیں ہے؟ ایسی صورت میں اس شخص کے لئے بھی میرے دل میں چنداں عزت نہیں رہ سکتی تھی۔ جس نے کہ اس قسم کی باطل پرستی کی تعلیم کا پرچار کیا ہو۔ چنانچہ مجھے یقین ہو گیا۔ کہ اگر سوامی دیانند نے وہ الفاظ اپنی زبان سے نکالے تھے۔ جو کہ اُس کی سوانح عمری میں درج ہیں۔ تو وہ الفاظ اواگون کی اس باطل پرستی کی بنا پر تھے۔ جس کا کہ سوامی دیانند معتقد تھا۔ جب اواگون ایک بدترین قسم کی باطل پرستی ثابت ہو گیا۔ تو سمجھنا چاہیئے۔ کہ مذکورہ بالا سوانح عمری کے وہ الفاظ بھی محض جھوٹ ہیں۔ اور ان الفاظ کا کہنے والا بھی ایک ریشنلسٹ کے نزدیک زیادہ بھروسے کی شخصیت ثابت نہیں ہو سکتا۔

دوسری فصل

سوامی دیانند کہاں ہوسکتا ہے؟

یا

کہاں ہونا چاہیئے اور وہ کہاں ہے؟

زمین پر سوامی دیانند کی تلاش کرنے کے بعد اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ دراصل سوامی دیانند ہے کہاں؟ یا کہاں ہوسکتا ہے۔ یا کہاں ہونا چاہیئے وہ لوگ جو اواگون کے وہم کے قائل ہیں۔ اور جو سوامی دیانند کو اپنا گورو تسلیم کرتے ہیں۔ وہ اکثر یہ کہتے سنے جاتے ہیں۔ کہ چونکہ سوامی دیانند پورن یوگی اور مہرشی تھے۔ اس لئے اُن کی مکتی ہوگئی ہے۔ اُن کے قول کے مطابق سوامی دیانند اب مکتی کی حالت میں ہے۔ اور اُن کی تلاش اس قسم کے کسی "مکتی خانے" میں کرنی چاہیئے۔ آیا سوامی دیانند کی مکتی ہو سکتی تھی۔ یا نہیں۔ پہلے اس بات کا فیصلہ کرنا چاہیئے۔ ستیارتھ پرکاش مطبوعہ بنارس سنہ ۱۸۷۵ء میں سوامی دیانند نے لکھا ہے:-

"تین رن انتھات رشی۔ پیتری اور دیورن" ان کو کر کے موکش (مکتی) کے واسطے پرویشٹ کرے۔ اور ان تینوں کو نہ کر کے جو سنیاس کی اچھا (خواہش) کرتا ہے۔ سو نیچے گر پڑتا ہے اُس کو موکش نہیں پراپت ہوتا۔ وہ تین رن یہ ہیں:-

ا۔ ایدھی وت ارتھات اوکت پرکار سے برھم چرج آشرم کو

کرکے سب ویدوں کو پڑھے۔ ارتھ سہت (بامعنی) اور انگ۔ اپانگ۔ وید اور چھ شاستر سہت پڑھے۔ پھر پڑھ کے بیتھاوت پڑھاوے۔ کیونکہ ودیا کالوپ اس پرکار سے کبھی نہیں ہوگا یہ پرتھم رشی رن ہے۔ اس میں جپ اور سندھیا اوپاسن بھی جان لینا۔

۲۔ سب منشیوں کے اوپر پرمیشور کی آگیا ہے۔ کہ برہم چرج آشرم سے ودیاؤں کو پڑھنا اور پڑھانا۔ اس کے بنا سب آشرم نشٹ ہیں۔ جیسے کہ مول کے بنا برکش نشٹ ہو جاتا ہے۔ اوکت پرکار سے پتروں کو شکشا دھرم کی ودیا پڑھنے اور پڑھانے کی کرے۔ اپنی کنیا۔ اتھوا اپنا پتر ودیا کے بنا کبھی نہ رہے۔ سب سریشٹ گن والے ہوں۔ ایسا کرم ماتا پتا کو کرنا اوچت ہے۔ اور جو اپنے سنتانوں کو سریشٹ گن والے نہ کرینگے تو گویا ان ماتا پتا نے بالک کو مار ڈالا۔ پھر مارنا تو اچھا پرنتو مورکھ رکھنا اچھا نہیں۔ اس میں اوکت پرکار سے ترپن اور شرادھ بھی جان لیں۔ یہ دوسرا پتری رن ہے۔

۳۔ پھر گرہ آشرم میں یتھاوت اگنی ہوترآدکوں کا انشٹھان کرے۔ جس سے کہ سب سنسار کا اوپکار ہو۔ اس سے اس کا بھی بڑا اوپکار ہے۔ ارتھات پُن سے سکھ پاتا ہے۔ سو ان تین رنوں کو اُتار کے موکش ارتھات سنیاس کرنے میں چت دیویں۔ انتھا نہیں۔ دوج۔ ارتھات برہمن کھشتری اور ویش ویدوں کو نہ پڑھ کے یتھاوت دھرموں سے پتروں کا اتپادن بھی نہ کریں۔ اگنی ہوترادک یگیہ بھی نہ کریں۔ پھر جو موکش ارتھات سنیاس کی اچھا کرے۔ سنیاس تو اُس کا نہ ہوگا۔ کنتو سنسار ہی میں گر پڑیگا۔

۴۔ اگر ارتھات برہم چرج آشرم سے بھی سنیاس لے لے

پرنتو جب انتر مکھ من ہوجائے۔ اور وشئے سیوا کی اچھیا تھوڑی بھی نہ ہو۔ اور پوتر گنوں سے ارتھات شم۔ دم آدگوں سے جب ٹکت ہوجائے اور موں ارتھات من شیل سنئیہ ستنیہ وچاروالا ہو۔ اور سب کاموں رجذبات) کو جیت لے۔ کوئی کام رجذبہ) اس کے من کو ادھر ہیں نہ لگا سکے۔ استھر چت ہو۔ سنسار کے کسی پدارتھ کی سوائے پرمیشور کی پراپتی کے خواہش نہ کرے۔ تب اگر برہم چرج آشرم سے بھی سنیاس لے لیوے تو کوئی دوش نہیں ہے۔ اس میں شرتیوں کا بھی پرمان ہے؛

۵۔ یجروید کے برہمن کی شرتی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے۔ کہ جس دن پورن ویراگ ہو۔ اُسی دن سنیاسی ہوجائے وان پرستھ آشرم۔ انتھوا گرہ آشرم سے۔ اور جب پورن ودیا اور پورن ویراگ اور پورن گیان اور وشئے بھوگ کی اچھا رخواہش) کچھ بھی نہ ہو۔ تو برہم چرج آشرم سے ہی سنیاس لے لیوے۔ تو بھی کچھ دوش نہیں ؛؛

(ستیارتھ پرکاش مطبوعہ بنارس ۱۸۷۵ء صفحہ ۱۷۵)

مذکورہ بالا مضمون میں اردو ستیارتھ پرکاش کا صفحہ دیا گیا ہے۔ جس کو کہ میں نے اصل کے مطابق اردو میں شائع کردیا ہے۔ سوامی دیانند کی خود بیان کردہ سوانح عمری سے پتہ لگتا ہے۔ کہ اس نے جو سنیاس لیا۔ وہ نہ تو تین رنوں کو اُتارنے کے بعد لیا۔ نہ ہی پورن ویراگ اور پورن گیان کے حاصل کرنے کے بعد لیا۔ بلکہ اس کے سنیاسی ہونے کی وجہ اس کے اپنے الفاظ میں مفصلۂ ذیل تھی:۔

روچونکہ میں اس سمے تک برہمچاری تھا۔ اس لئے مجھ کو اپنا کھانا اپنے ہاتھ سے پکانا پڑتا تھا۔ جس کی وجہ سے میری خواندگی میں بڑا ہرج واقع ہوتا تھا۔ بنابریں اس بکھیڑے سے چھوٹنے کے لئے میں نے ارادہ کیا۔ کہ حتے الامکان کوشش

کرنگے سنیاس اشرم کے چوتھے درجہ میں شامل ہو جاؤں علاوہ اس کے مجھ کو یہ بھی خوف تھا۔ کہ اگر میں برھم چرج آشرم میں بنا رہا۔ تو کسی دن اپنی کل کی پرسدھتا کے کارن گھر والوں کے ہاتھ پکڑا جاؤنگا۔ کیونکہ میرا ابھی تک وہی نام پرسدھ ہے جو گھر میں تھا۔ کنتو جو سنیاس آشرم لے لونگا۔ تب ساری عمر کے لئے بے فکر ہو جاؤنگا۔ ایک دکھشنی پنڈت کے ذریعے جو میرا بڑا متر تھا۔ چد آشرم سوامی سے کہلایا۔ کہ آپ اس برھمچاری کو سنیاس کی دیکشا دے دیجئے۔ مگر اس مہاراشٹر سنیاسی نے جو پرم دیکشت تھے۔ مجھ کو سنیاس دینے میں صاف انکار کر دیا۔ اس لئے کہ یہ ابھی تازہ نوجوان ہے۔ ہم سنیاس نہیں دیتے۔ تتھاپی میرا انساہ بھنگ نہیں ہوا۔ تقریباً ڈیڑھ برس تک نربدا تٹ پر رہا۔ اس کے بعد میری عمر کے چوبیسویں برس دو مہینے کے پیچھے دکھن سے ایک ڈنڈی سوامی اور ایک برھمچاری آکر بستی چانوڈ سے کچھ کم کوس یا دو میل کی دوری پر ایک جنگل میں مکان تھا۔ اس میں آ ٹھیرے۔ اُن کی پرشنسا سنکر پرم متر مذکورہ بالا دکھشنی پنڈت میرے ساتھ ان کے نزدیک گئے۔ سنیاسی جی کا نام پورنانند سرسوتی تھا۔ ان سے میں نے اچھا (خواہش) پورن کرنے کے لئے سفارش کرنے کو اپنے متر کی طرف اشارہ کیا۔ اور اُنہوں نے اچھی پرکھ کہا۔ کہ مہاراج یہ ودیارتھی سوشیل اور برھم ودیا پڑھنے کی آئیندہ کا منار کھتا ہے۔ پرنتو روٹی پانی کے بکھیڑوں کے مارے حسب منشا تحصیل علم نہیں کر سکتا۔ آپ کرپا کر کے اس کی خواہش کے مطابق اس کو چوتھی قسم کا سنیاس دے دیجئے۔ یہ سن اور میری بہت نوجوان عمر کو دیکھ کر اُن کا بھی جی ہٹا۔ پرنتو جب متر نے بہت کچھ کہا سنا تب اُنہوں نے ....

مجھ کو سنیاس دے ڈنڈ گرہن کرایا۔ اور میرا نام دیانند سرسوتی رکھا" (خود بیان کردہ سوانح عمری صفحہ ۱۲)

سوامی دیانند کے مذکورہ بالا بیان سے صاف عیاں ہے۔ کہ اُس نے پورن ویراگ یا پورن گیان کی تحصیل کے بعد سنیاس نہیں لیا تھا بلکہ محض روٹی پکانے کے ٹنٹے سے چھوٹنے اور اپنے آپ کو پکڑے جانے سے بچانے کے لئے کپڑے رنگ لئے تھے۔ روٹی اور کپڑے کی خاطر لیا گیا سنیاس کبھی بھی مکتی دینے والا نہیں ہو سکتا۔ جس سنیاس کی ابتدا روٹی کے جھگڑے سے ہو۔ اس کی انتہا مکتی پر نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ آگے چل کر اسی ستیارتھ پرکاش میں سوامی دیانند مکتی یافتہ سنیاسی کے لکشن بیان کرتا ہوا لکھتا ہے:۔

"کپال یعنی بھیک کا برتن۔ درخت کی جڑ میں قیام۔ بُرے کپڑے سب کے اوپر یکساں خیال۔ نہ کسی سے محبت نہ کسی سے دشمنی یہ مکت پرش ارتھات سنیاسی کا لکشن ہے"

سوامی دیانند کی زندگی اس بات کی شاہد ہے۔ کہ اُس میں یہ چاروں باتیں موجود نہیں تھیں۔ کیونکہ:۔

اوّل۔ وہ بھیک مانگنے کے لئے کپال کا استعمال نہیں کرتا تھا۔ نہ ہی وہ بھیک مانگ کر گزارہ کرتا تھا۔ بلکہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھاتا تھا۔ اور بجائے بھیک مانگنے کے عمدہ سے عمدہ باورچی اُس کا کھانا بنانے کے لئے اُس کے ساتھ رہتے تھے۔

دوم۔ وہ درختوں کی جڑوں میں ڈیرہ کرنے کی بجائے بنگلوں اور کوٹھیوں پر فروکش ہوتا تھا۔ جہاں پر اس کے آرام کے لئے گدیلے دار کرسیاں اور خوبصورت پلنگ دیا کئے جاتے تھے۔

سوم۔ وہ بُرے کپڑے نہیں پہنتا تھا۔ بلکہ اعلےٰ سے اعلےٰ ریشمی دھوتیاں اور ریشمی کوٹ پہنتا تھا۔ حالانکہ ریشم حاصل کرنے کے لئے جس قدر جانوں کا نقصان کرنا پڑتا ہے۔ وہ اس سے بھی واقف تھا۔ مگر باوجود اس

کے وہ ریشم کے خوبصورت لباس میں ملبوس رہتا تھا۔

چہارم:۔ وہ اُن لوگوں کو چھوڑ جو اُس کی ہاں مین ہاں ملاتے تھے۔ باقی تمام لوگوں کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتا اور اُن کو بعض اوقات سخت نا ملائم الفاظ میں یاد کیا کرتا تھا۔ خصوصاً وہ غیر ہندو اقوام سے سخت نفرت کرتا اور اُن کی بیخ کنی کے منصوبے باندھتا رہتا تھا۔ الغرض اپنے ہی قائم کردہ معیار کے مطابق وہ ایک نجات یافتہ سنیاسی نہیں تھا۔ وہی ستیارتھ پرکاش میں آگے چل کر وہ لکھتا ہے :۔

"(۱) جو کوئی غضب ظاہر کرے اُس پر سنیاسی غضب ظاہر نہ کرے۔۔

(۲) جھوٹ کبھی نہ کہے یعنی سنیاسی ہمیشہ سچ ہی بولے۔۔۔۔۔۔

(۳) ایک ہی پاتر رکھے اور ایک ہی ڈنڈ رکھے۔۔۔۔۔۔۔۔

(۴) ایک ہی دفعہ بھکشا کرے بہت بھکشا میں نہ پھنسے۔ کیونکہ جو بھوجن میں گرفتار ہوگا۔ سو بشے (دنیاوی لذات) میں بھی پھنسیگا

(۵) جب گاؤں میں دھواں نہ دیکھ پڑے۔ موسل و چکی کی آواز نہ سن پڑے۔ کسی کے گھر میں آگ نظر نہ آئے سب گرہست لوگ بھوجن کر چکیں اور بھوجن کر کے پتل شکورے باہر پھینک دیویں۔ اُس وقت سنیاسی گرہست لوگوں کے گھر میں بھکشا کے واسطے ہمیشہ جائیں۔ اور جو ایسا کہتے ہیں۔ کہ ہم پہلے ہی بھکشا کرینگے یہ اُن کا پاکھنڈ ہی جاننا۔ کیونکہ گرہست لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اور جو تارک الدنیا ہوکے بیراگی وغیرہ اپنے ہاتھ سے لے کر کرتے ہیں۔ وہ بڑے پاکھنڈی ہیں"۔

سنیاسی کی خود بیان کردہ مذکورہ بالا صفات میں سے سوامی دیانند میں ایک بھی صفت موجود نہیں تھی۔ وہ اپنے مخالفوں کے ساتھ غضب کی مناسب حد سے بھی تجاوز کر جاتا تھا۔ وہ بعض اوقات غلط بیانی سے بھی کام لیتا تھا۔ وہ ایک برتن نہیں بلکہ بہت سے سونے چاندی وغیرہ دھاتوں کے برتن رکھتا تھا۔ سنیاسی کے لئے جس ڈنڈ کی ضرورت ہے۔ اس کو اس نے

سنیاس لینے کے ساتھ ہی پھینک دیا تھا۔ وہ صرف یہی نہیں کہ بھکشا نہیں مانگتا تھا۔ بلکہ دن میں کئی مرتبہ اس قدر کھاتا تھا کہ اکثر بدہضمی کا شکار رہتا تھا۔ وہ گرہستیوں کے گھر بھیک مانگنے کو اپنی ہتک خیال کرتا تھا۔ بلکہ ان سے اپنے ڈیرے پر رسد یا رسد کی قیمت منگوا لیتا تھا۔ ان تمام باتوں کا مفصل ذکر اُن کی سوانح عمری مرتبہ پنڈت لیکھرام و ماسٹر آتمارام میں موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سوامی دیانند ایک مکتی یافتہ سنیاسی نہیں تھا۔ اسی ستیارتھ پرکاش میں سوامی دیانند آگے چل کر لکھتا ہے:۔

"جیسی مصیبت روپیہ کے رکھنے میں گرہستوں کو ہوتی ہے۔ اُس سے کچھ زیادہ سنیاسی کو روپے کے رکھنے میں ہوگی کیونکہ گرہستوں کے استری لڑکے اور نوکر وغیرہ حفاظت کرنے والے ہوتے ہیں۔ اُس کے کوئی نہیں جسم کے گزارہ کے لائق دہن رکھ لے۔ تب تو تارک الدنیا کے لئے بھی کچھ ہرج نہیں۔ اور جو زیادہ رکھیگا۔ تو مکتی کو نہ پا کر دنیا میں گر پڑیگا"

سوامی دیانند کی مذکورہ بالا تحریر کی موجودگی میں جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ خود لاکھوں روپے کی جائداد چھوڑ جانے کے علاوہ ہزاروں روپے نقد اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اور جہاں جاتا تھا۔ روپیہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ تو اس سے یہی نتیجہ نکالنا پڑتا ہے۔ کہ وہ مکتی کو نہ پا کر اپنے خیال کے مطابق اسی دنیا میں گر پڑا ہوگا اور ضرور کسی نہ کسی جُون میں گرفتار ہُوا ہوگا اس لئے کہ وہ اواگون کی باطل پرستی کا بھی معتقد تھا۔ اب جس صورت میں کہ وہ ایک نجات یافتہ سنیاسی نہیں تھا۔ تو اُس کی تلاش مکتی میں کرنا فضول ہے مگر چونکہ وہ "اواگون" کا بھی معتقد تھا۔ اس لئے اب ذرا تھوڑی دیر کے لئے یہ بھی دیکھنا چاہیئے۔ کہ "اواگون" کے وہم کو درست مان کر سوامی دیانند کی تلاش کس طبقے میں کرنی چاہیئے۔ آیا انسانوں کے طبقے میں یا حیوانوں کے طبقے میں یا حشرات الارض کے طبقے میں۔ انسانوں کے طبقے میں اُن کی تلاش کی جا چکی ہے۔ اور اُن کا کچھ پتہ نہیں ملا۔ جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا

ہوں۔ اب دیگر طبقات میں ان کی تلاش کرنے سے پیشتر سوامی دیانند کی خود بیان کردہ سوانح عمری کے مفصلہ ذیل مضمون کو پڑھ لینا چاہیئے۔ سوامی دیانند لکھتا ہے :-

"چنڈال گڑھ میں میں نے دس دن گزارے۔ وہاں میں نے چاول کھانے بالکل چھوڑ دئے۔ اور صرف دودھ پر اپنا گزارہ کر کے دن رات یوگ ودیا کے پڑھنے اور اُس کی مشق میں مصروف رہا۔ بد قسمتی سے اس جگہ مجھے ایک بڑا عیب لگ گیا۔ یعنی مجھ میں بھنگ کے استعمال کرنے کی عادت ہو گئی۔ چنانچہ بعض اوقات اُس کے اثر سے میں بالکل مدہوش ہو جایا کرتا تھا۔ ایک دن کا ذکر ہے۔ جب میں مندر سے نکل کر ایک گاؤں کی طرف جا رہا تھا۔ جو چنڈال گڑھ کے قریب ہے۔ وہاں مجھے پچھلے دنوں کا جانکار میرا ایک ساتھی ملا۔ گاؤں کی دوسری طرف کچھ فاصلے پر ایک شوالہ تھا۔ جہاں میں نے جاکر رات گزاری۔ وہاں جب میں بحالت نشہ بھنگ بے ہوش سوتا تھا۔ تو میں نے ایک خواب دیکھا۔ اور وہ یہ تھا۔ یعنی مجھے خیال ہوا۔ کہ میں نے مہادیو اور اُس کی استری پاربتی کو دیکھا۔ پاربتی مہادیو جی سے کہ رہی تھی اور اُن کی باتوں کا مضمون میں ہی تھا۔ یعنی وہ میری بابت باتیں کر رہے تھے۔ پاربتی مہادیو جی سے کہ رہی تھی۔ کہ بہتر ہے۔ کہ دیانند سرسوتی کی شادی ہو جائے۔ لیکن دیوتا اس بات سے اختلاف ظاہر کر رہا تھا۔ اس نے میری بھنگ کی طرف اشارہ کیا۔ یعنی بھنگ کا ذکر چھیڑا۔ جب میں جاگا۔ اور اس خواب کا خیال کیا۔ تو مجھے بڑا دکھ اور کلیش ہوا۔ اس وقت سخت بارش ہو رہی تھی۔ اور میں نے اس برآمدے میں جو کہ مندر کے بڑے دروازے کے مقابل تھا۔ آرام لیا۔ اس جگہ سانڈ یعنی دیوتا نندی کی مورتی کھڑی ہوئی تھی۔ اپنے کپڑوں اور

پستک کو اُس کی پیٹھ پر رکھ کر میں بیٹھ گیا اور اپنی بات کو سوچنے لگا۔ جوں ہی اچانک میں نے اس مورتی کے اندر کی طرف نظر ڈالی۔ تو مجھ کو ایک آدمی اس میں چھپا ہوا نظر پڑا۔ میں نے اپنا ہاتھ اُس کی طرف پھیلایا۔ جس سے وہ بہت ڈر گیا۔ کیونکہ میں نے دیکھا۔ کہ اُس نے جھٹ پٹ چھلانگ ماری۔ اور چھلانگ مارتے ہی گاؤں کی طرف سرپٹ دوڑ گیا۔ تب میں اس کے چلے جانے پر اس مورتی کے اندر گھس گیا۔ اور باقی رات بھر وہیں سو رہا۔ صبح کے وقت ایک بوڑھی عورت وہاں پر آئی۔ اور اُس نے اُس سانڈ دیوتا کی پوجا کی۔ جس حالت میں کہ میں بھی اُس کے اندر ہی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی تھوڑی دیر بعد وہ گڑ اور دہی لے کر واپس آئی۔ اور میری پوجا کر کے اور مجھ کو غلطی سے دیوتا سمجھ کر اُس نے کہا۔ کہ آپ اسے قبول فرمائیے۔ اور کچھ اس میں سے تناول کیجئے۔ میں نے اُس کو بہ سبب بھوکا ہونے کے کھا لیا۔ دہی چونکہ بہت کھٹا تھا۔ اس واسطے بھنگ کا نشہ اُتارنے میں ایک اچھا علاج ہو گیا۔ اس سے نشہ جاتا رہا۔ جس سے مجھے بہت آرام معلوم ہوا"۔ (جیون چرتر سوامی دیانند صفحہ ۲۰)

مذکورہ بالا بیان سوامی دیانند کا اپنا ہے اور یہ بیان اس ضخیم سوانح عمری میں موجود ہے۔ جس کو کہ پنڈت لیکھرام اور ماسٹر آتما رام نے زیر نگرانی آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب مرتب کیا ہے۔ سوامی دیانند لکھتا ہے کہ خواب سے بیدار ہو اُس کو اپنے خواب کو یاد کر کے بڑا دکھ اور کلیش ہوا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ اُس کو دکھ کیوں ہوا؟ کیا اس لئے کہ مہادیو اور پاربتی نے اُس کو درشن دئے تھے۔ غالباً دیوتاؤں کے ساکشات درشن سے کسی بھی نیک اور پارسا شخص کو دکھ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ خوشی ہوتی ہے۔ خاص کر مہادیو اور پاربتی کے ساکشات درشن کرنا تو ہندوؤں کے اعتقاد کے مطابق

ایک اعلےٰ درجے کی سعادت دارین سمجھی جاتی ہے۔ اور سوامی دیانند کو تو مہادیو کے درشن کر کے خاص طور پر خوش ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ وہ اپنے والدین کے گھر سے مہادیو کے ساکشات درشن کرنے کے لئے ہی بھاگا تھا۔ چنانچہ وہ اپنی خود بیان کردہ سوانح عمری میں لکھتا ہے:۔

"اتنے میں ایسا چمتکار ہوا۔ کہ مندر کے بل میں سے ایک چوہا باہر نکل کر پنڈی کے چاروں طرف پھرنے لگا۔ اور پنڈی کے اکھشت وغیرہ اوپر چڑھ کر کھانے لگا۔ میں تو جاگتا ہی تھا۔ اس لئے میں نے یہ سب تماشا دیکھا۔ اس سے میرے دل میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہو کر سوال در سوال اُٹھنے لگے۔ تب میں نے اپنے من میں کہا۔ اور یہ شک اُٹھایا۔ کہ جس کی ہم نے کتھا سنی تھی۔ وہی یہ مہادیو ہے۔ یا وہ کوئی اور ہے۔ کیونکہ وہ تو منش کے موافق ایک دیوتا ہے۔ .... مہادیو جو کتھا میں سنا تھا۔ کیا ممکن ہے۔ کہ یہ پار برھم ہو۔ جس کے سر پر چوہے دوڑے پھرتے ہیں۔ ..... ایسی بہت سی ترک من میں اٹھی۔ میں ان خیالات کو بہت دیر تک نہ روک سکا۔ اس لئے میں نے اپنے والد کو جگایا۔ اور اُن سے درخواست کی کہ بتائیے یہ مہیب شکل مہادیو کی جو اس مندر میں ہے۔ اسی مہادیو کی ہم شکل ہے۔ جسے پورانوں میں پار برھم کہتے ہیں۔ یا یہ کوئی اور چیز ہے؟ ...... پتا جی نے نہایت کوشش کے ساتھ مجھ کو اس طرح سمجھایا۔ کہ کیلاش پربت پر جو مہادیو رہتے ہیں۔ .... کل یگ میں اُن کا ساکشات درشن نہیں ہوتا۔ اس لئے پاشان (پتھر) وغیرہ کی مورتی بنا کر اور اُس میں مہادیو کی بھاؤنا رکھ کر پوجن کرے۔ تو کیلاش کا مہادیو ایسا پرسن ہو جاتا ہے۔ کہ گویا وہ اس جگہ خود ہی موجود

ہے۔ اور اُس کی پوجا ہوتی ہے . . . . اس اپدیش سے میری کچھ بھی تسکین نہ ہوئی۔ بلکہ میرے من میں اور بھرم ہو گیا۔ کہ اس میں کچھ گڑ بڑا وشیہ ہے۔ مجھے ان کی باتوں میں کچھ مغالطہ دہی اور لاگ لپیٹ معلوم ہوئی۔ **تب میں نے سنکلپ کیا۔ کہ جب میں اس مہادیو کو پرتیکش دیکھونگا۔ تب ہی پوجا کرونگا۔ ورنہ نہیں**"

(خود بیان کردہ سوانح عمری صفحہ ۶)

مذکورہ بالا بیان کے مطابق جب سوامی دیانند کو مہادیو کے ساکشات درشن ہو گئے۔ اور اس نے خواب میں اس مہادیو کو پرتیکش دیکھ لیا۔ تو اُس کو چاہیئے تھا۔ کہ مارے خوشی کے پھولا نہ سماتا۔ اور مہادیو اور پاربتی کی فوراً پرستش شروع کر دیتا۔ لیکن وہ لکھتا ہے۔ کہ خواب سے بیدار ہو کر اُس کو بڑا دکھ اور کلیش ہوا۔ اس دکھ اور کلیش کا باعث مہادیو اور پاربتی کا ساکشات درشن نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کی وجہ خواب کی حالت میں کسی ایسی حرکت کا سرزد ہونا ہے۔ جو درحقیقت باعث ندامت ہو۔ ایسی حرکت کیا ہو سکتی ہے۔ اس کا صحیح صحیح اندازہ لگانے کے لئے سوامی دیانند کے بیان کردہ الفاظ کافی اشارہ دیتے ہیں۔ لیکن میرا مطلب یہاں پر سوامی دیانند کی کسی بے اختیاری کی حرکت پر بحث کرنا نہیں ہے۔ بلکہ اس بات پر بحث کرنا ہے۔ کہ وہ بھنگ کے نشے میں مدہوش رہتا تھا۔ بھنگ کا نشہ شراب کے نشے سے بھی بدتر مانا گیا ہے۔ منو بھگوان نے لکھا ہے:-

"شراب پینے والا برہمن کیڑے مکوڑے غلاظت خور جانوروں اور درندوں کی جون میں جاتا ہے"

(منو ادھیائے ۱۲ - شلوک ۶۲)

اگر اواگون کے وہم کو درست تسلیم کر لیا جاوے۔ جیسا کہ سوامی

دیانند اس کو درست مانتا تھا۔ تو کہنا پڑیگا۔ کہ بھنگ کا پینے والا برہمن بھی کیڑے مکوڑوں اور غلاظت خور جانوروں کی جُون میں پڑنے کے لئے مجبور ہوگا۔ کیونکہ بھنگ کا نشہ شراب کے نشے سے بھی زیادہ تباہ کن اور بربادی بخش ہوتا ہے۔ جیسا کہ خود سوامی دیانند نے اپنے تجربے کی بنا پر شہادت دی ہے۔ اب اگر اواگون کے مسئلے کو درست تسلیم کر لیا جاوے۔ اور اُس کے ساتھ ہی اس بات کو بھی صحیح مان لیا جاوے۔ کہ شراب اور بھنگ کا پینے والا برہمن کیڑے مکوڑوں اور غلاظت خور جانوروں کی جون میں جاتا ہے۔ تو اس صورت میں سوامی دیانند کی تلاش کے لئے نہ تو انسانوں کے طبقے میں سرگردان ہونے کی ضرورت ہے۔ نہ ہی مکتی یافتہ روحوں میں اُن کو ڈھونڈنا چاہئے۔ بلکہ "اواگون" کے وہم اور منو کے مذکورہ بالا شلوک کی موجودگی میں سوامی دیانند کی تلاش کے لئے حشرات الارض کی دنیا میں سرگرداں ہونا چاہئے جو "اواگون" کے مطابق شراب اور بھنگ پینے والے برہمنوں کی آبادی مانی گئی ہے۔ مگر بطور ایک ریشنلسٹ کے میں چونکہ "اواگون" کو ایک بدترین قسم کا وہم مانتا ہوں۔ اس لئے میں سوامی دیانند کی تلاش نہ تو مکتی یافتہ روحوں میں کرونگا۔ نہ ہی کیڑے مکوڑوں میں ÷

تیسری فصل

ایک ضروری سوال

اور

اس کا جواب

اب جبکہ اس بات کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ کہ ایک ریشنلسٹ سوامی دیانند کو نہ تو کسی مکتی خانے میں تلاش کرنا چاہتا ہے۔ نہ ہی اُس کو انسانوں حیوانوں یا کیڑے مکوڑوں کی جون میں تلاش کرنے کے لئے تیار ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیا ایک ریشنلسٹ کے نزدیک سوامی دیانند کی روح ایک قسم کا کیمیائی فعل تھی۔ جو کہ اُس کے جسم کے ساتھ ہی ختم ہو گئی۔ اور کہ اسی لئے اب اُس کا کہیں بھی پتہ نہیں لگایا جا سکتا؟ بطور ایک ریشنلسٹ کے میں اس خیال کو کہ روح ایک کیمیائی فعل ہے جو کہ چند عناصر کے معتدل ملاپ سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اُن عناصر کے الگ ہو جانے پر ختم ہو جاتی ہے۔ بنی نوع انسان کے حق میں ایسا ہی مضر تصور کرتا ہوں۔ جیسا کہ "آواگون" کا وہم ہے۔ کیونکہ جس طرح "آواگون" کا ماننے والا خداوند قدوس کی ہستی سے منکر نظر آتا ہے۔ اور وہ اس دنیا کو گناہ کا نتیجہ بتاتا ہے۔ اسی طرح روح کو کیمیائی فعل ماننے والا بھی دنیا میں جور و ستم۔ فسق و فجور اور بدترین گناہوں کی بلوشاہت قائم کرنے والا ہے۔ کیونکہ اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جاوے کہ روح ایک کیمیائی فعل ہے جو کہ چند عناصر کے معتدل ملاپ سے پیدا ہوتی اور ان عناصر کے اعتدال کے ٹوٹنے پر ختم ہو جاتی ہے۔ اور کہ روح کے لئے کوئی مستقبل نہیں ہے تو مجھے اس بات کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔ کہ میں ایک انسانی جسم کو قائم رکھوں

جو کہ غلاظت مجسم ہو۔ اور جو بھوک پیاس اور بیماریوں کا شکار بنا رہتا ہو
میں یا تو اس جسم کو آن واحد میں ختم کر ڈالونگا۔ یا اگر میں اس کو ختم نہیں
کرونگا۔ تو میں نیکی اور بدی کے تمام خیالات کو بالائے طاق رکھکر "کھاؤ۔
پیو۔ موج کرو۔ کیونکہ روح کا جسم کے ساتھ ہی خاتمہ ہو جاتا ہے" کے غلط اصول
پر عمل کرونگا۔ میرے لئے نیکی نیکی نہیں رہیگی۔ اور بدی بدی نہیں رہیگی میں
نیکی کے لئے تکلیف برداشت کرنا اور بدی سے نفرت کرنا ایک قسم کی حماقت
سمجھونگا۔ میں دنیا کے اُن تمام مہا پرشوں۔ مذہبی ریفارمروں۔ قدسیوں اور
روحانیوں پر احمق ہونے کا فتوے لگا دونگا۔ جنہوں نے کہ کسی آئندہ زندگی
کے بھروسے پر تکالیف برداشت کیں۔ پھانسی پر چڑھے۔ تلوار سے قتل
ہوئے۔ یا آگ میں جلائے گئے۔ اور میں ان تمام بدمعاشوں۔ رہزنوں۔
قزاقوں۔ حرامکاروں اور زناکاروں کو عقلمند۔ دور اندیش اور برگزیدہ انسان
تصور کرونگا۔ جو نو نقد نہ تیرہ اُدھار کے مقولہ پر کاربند ہو کر جب تک زندہ
رہے دنیوی حظوظ اور لذات سے محظوظ ہوتے رہے۔ اگر روح جسم کے ساتھ ہی
فنا ہو جانے والی چیز ہو۔ تو ایک بازاری عورت ایک عصمت مآب ستی سے
زیادہ نفع میں رہیگی۔ ایک ڈاکو اور قزاق کی زندگی دنیا کے کسی بھی بڑے سے
بڑے مذہب کے بانی کی زندگی سے جس نے کہ دوسروں کی بھلائی میں اپنے آپ
کو قربان کر دیا زیادہ دور اندیشی کی زندگی تصور کی جائیگی۔ اس لئے کہ زندگی
کی دوڑ موجودہ جسم سے شروع ہو کر موجودہ جسم کے خاتمہ کے ساتھ ہی ختم ہو گئی۔
اس دوڑ میں جس نے نیکی کے لئے دُکھ اُٹھایا وہ احمق اور کوتاہ اندیش تھا۔ اور وہ گھاٹے
میں رہا۔ اور وہ جو ہر ایک جائز و ناجائز وسیلے سے حیوانیت کے تمام تقاضاؤں
سے آنند اُٹھاتا رہا۔ وہ عقلمند اور دور اندیش تھا۔ اور وہ نفع میں رہا۔ اس لئے کہ ان
کی زندگی کی دوڑ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔ اور اُن کی روح بھی اس دوڑ کے ساتھ
ہی ختم ہو گئی۔ یہ ایک ایسا خوفناک نظارہ ہے۔ کہ جس کو سامنے لانے کے
ساتھ ہی ایک ریشنلسٹ کانپ اٹھتا ہے۔ اور اُس کو وہ تمام گمراہ لوگ جو روح
کو ایک کیمیائی فعل مانتے اور جسم کے ساتھ ہی اس کا ختم ہو جانا تسلیم کرتے

ہیں، ایک بدترین شکل میں نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ایک ریشنلسٹ روح کے جسم کے ساتھ ہی ختم ہو جانے کے عقیدہ کو "اواگون" کے عقیدے کی طرح گناہ کی بادشاہت کا بنیادی پتھر سمجھتا ہے۔ اس کے برعکس ایک ریشنلسٹ تجربات اور مشاہدات کی بنا پر روح کی آئندہ زندگی کا قائل ہے۔ ریشنلزم "اواگون" کے شیشے کی طرح سنگلاخ فرش پر گر کر چور چور ہو جائے۔ اگر وہ روح کی آئندہ زندگی سے منکر ہونے کی تعلیم دے۔ ریشنلزم کا بڑا پرچارک مرحوم مسٹر ڈبلیو۔ ٹی۔ سٹیڈ "پروفس اف لائف آفٹر ڈیتھ" میں جس میں کہ یورپ اور امریکہ کے تمام مشہور و معروف سائنس اور ریشنلزم کے مداحوں کے مضامین جسم سے علحدہ ہو کر روح کے زندہ و قائم رہنے کے متعلق درج ہیں، لکھتے ہیں:۔

"اس بات کے ثبوت میں کہ موت کی گھاٹی کے بعد انسان کی ہستی اسی طرح قائم رہتی ہے۔ جس طرح کہ اس دنیا میں ہوتی ہے نہایت ہی صحیح صحیح تجربات و مشاہدات پیش کئے جا سکتے ہیں جو کہ سایئکالوجی کی سائنس کے عین مطابق اُترتے ہیں۔ سائیکل ریسرچ سوسائٹی کے اس قسم کے تجربات اور مشاہدات نے روح کی آئندہ زندگی سے انکار کرنے والے مجھ جیسے کٹر سائنٹفک دماغ رکھنے والے اور مادہ پرست کے اعتقاد کو بھی بیخ و بن سے اڑا دیا اور چور چور کر دیا ہے۔ میں اب اس بات کو تسلیم کرتا ہوں۔ کہ جب خاک خاک میں مل جاتی ہے۔ اور تمام عناصر الگ ہو جاتے ہیں، تو روح اس صورت میں بھی قائم رہتی ہے۔ روح کی شخصیت اور اُس کے خواص کو ایک منٹ کے لئے بھی کوئی نقصان نہیں پہنچتا ...... باہر کا جسم یا ڈھانچہ تباہ ہو جاتا ہے۔ مگر روح بدستور قائم رہتی ہے۔ الہام نے ہمیشہ اس کی تصدیق کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ مادی سائنس ایک دفعہ از سر تو مذہب کی اس حقیقت کو پایۂ ثبوت تک پہنچنے اور اس کو تسلیم کرنے کے لئے بطور ایک لونڈی کے مذہب کے سامنے جھک جائیگی۔ خواہ بطور سائنس

دانوں کے ہم اس بات کو پسند کریں۔ یا نہ۔ سوال یہ ہے۔ کہ صداقت کیا ہے؟ روح کی آئندہ زندگی کے تسلیم کرنے میں اگر اس وقت کسی قسم کا کوئی نقص نظر آتا ہے۔ تو اُس کو نظر انداز کرتے ہوئے سب سے بڑی فائدے کی چیز یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ انسان کا اپنے خالق خداوند قدوس کے ساتھ جو تعلق ہے۔ وہ اسی جسم کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ خداوند قدوس انسان کی روح کے لئے ایک ابدی زمانہ رکھتا ہے۔ تاکہ روح کو اپنے لطف و کرم سے بہرہ اندوز کرے"۔ (صفحہ ۲۸۴)

مرحوم مسٹر ڈبلیو۔ ٹی۔ سٹیڈ نے اپنے ان خیالات کا اظہار سنہ ۱۹۰۸ء میں کیا تھا۔ مگر بطور ایک سائنس دان اور ریشنلسٹ کے اُنہوں نے جو بعد ازاں تجربے اور مشاہدے کئے۔ اُن سے وہ یقینی طور پر اس نتیجے پر پہنچ گئے۔ کہ روح کثیف جسم کو چھوڑ کر لطیف جسم کے ساتھ موجود رہتی ہے۔ چنانچہ اس مسئلے کو اُنہوں نے جن الفاظ میں حل کیا ہے۔ وہ یہ ہیں:۔

"بغیر تار کے برقی پیغام رسانی اور (بغیر تار کے) ٹیلیفونی میں بجلی کے۔ جو استعمال حال میں کئے گئے ہیں۔ وہ اگرچہ بذات خود کسی ہستی کی حقیقت یا اس کے مستقل طور پر قائم رہنے کے متعلق کچھ ثابت نہیں کرتے تو بھی وہ اس بات کے لئے قیمتی ہیں کہ وہ ہمیں اس قابل بناتے ہیں۔ کہ ہم موت کے بعد کی زندگی یا پرلوک کے ثابت کرنے میں جو مشکلات اور جو ممکنات ہیں اُنہیں واضح کر سکیں۔

اس (مسئلہ) کی بابت جس کے متعلق کہ ہم بحث کرنے والے ہیں۔ ٹھیک ٹھیک خیال باندھنے کے لئے فرض کرو کہ پرلوک بحر اوقیانوس کی طرح ہے جیساکہ کولمبس کے زمانے سے پیشتر ہمارے بزرگ اُسے سمجھتے تھے۔ اس تشبیہ کو مکمل کرنے کے لئے یہ فرض کر لینا ضروری ہے۔ کہ بحر اوقیانوس میں جہاز مشرق سے مغرب کی طرف سفر کر سکتے ہیں۔ اور کہ سمندر کی لہریں یا زبردست مشرقی طوفان ایسے تیز ہیں کہ یورپ سے امریکہ کی طرف جانے والا کوئی مسافر پرانی دنیا میں واپس نہیں آسکتا۔ اس سے ہم ان مشکلات کا جن پر کہ میں بحث کرنے والا ہوں

[1] یہ اقتباس "پرلوک کے متعلق مسٹر سٹیڈ کی شہادت" نامی ٹریکٹ مترجمہ پنڈت دیورتن صاحب سکرٹری دیوسماج لاہور سے لیا گیا ہے۔ ایڈیٹر

ایک سادہ لیکن بالکل صاف خیال باندھنے کے قابل ہو سکینگے *

اگر کرسٹوفر کولمبس امریکہ کو دریافت کرنے کے بعد بحر اوقیانوس کو عبور کر کے واپس پہنچنے کے ناقابل ہوتا تو کچھ عرصے کے بعد یورپ نے یہ نتیجہ نکال لیا ہوتا کہ وہ اس بحر ناپید اکنار میں تباہ ہو گیا ہے۔ اگر اور بے تعداد مسافر وہی مغربی سفر اختیار کرتے اور کبھی واپس نہ آتے تو یہ نتیجہ پکے یقین کی صورت قبول کر لیتا۔ جب کہ سچ یہ ہے۔ کہ کرسٹوفر کولمبس اور وہ لوگ کہ جنھوں نے اس کی پیروی کی ہوتی زندگی کا لطف اٹھا رہے ہوتے اور براعظم امریکہ میں ایک نئی قوم کی بنیاد ڈال رہے ہوتے مگر تاہم اُن کے لئے یہ ناممکن ہو جاتا کہ وہ اپنے پس ماندگان کو اپنی اس ہستی کا یقین دلا سکیں۔ ایسی صورت میں امریکہ کی بابت یورپ کا یہ خیال ہوتا کہ "وہ ایسی نامعلوم مسافت ہے کہ جہاں سے کوئی مسافر واپس نہیں آتا" اور اُن کے دوست اور رشتہ دار یہ کہکر ان بہادروں کا نوحہ کرتے کہ ہائے وہ چلے گئے۔ اور کبھی واپس نہیں آئینگے *

مگر یہ سب کچھ ہونے پر بھی کولمبس اور اُس کے بہادر آدمی اُس نئی دنیا میں اپنی جنم بھومی کی نسبت بہتر حالت میں زندہ موجود ہوتے *

ایسے حالات میں کیا واقعہ ہؤا ہوتا؟ زیادہ اغلب یہی ہے۔ کہ اُن لوگوں کے دل بھی کہ جو کولمبس کی دانائی پر بہت ہی پکا یقین رکھتے تھے۔ اپنے اس بشواس میں ڈانواں ڈول ہو جاتے۔ اور اگر یہ بشواس بالکل اُڑ نہ گیا ہوتا تو اُس کی تہ میں شاید کوئی ایسی بات چاہیے ہوتی کہ وقتاً فوقتاً رات کو خواب میں اُس کے دوستوں نے اس کو ایک عجیب اور نئی دنیا میں زندہ اور اچھی حالت میں دیکھا ہوتا۔ لیکن ایسی باتوں پر یقیں خواب کی غیر یقینی فرضی اور وہمی باتوں پر بشواس کرنے کی نسبت کچھ زیادہ وقعت نہ رکھتا *

آؤ اب ہم اپنے آپ کو کولمبس کے زمانہ سے اپنے موجودہ زمانے میں لے آویں۔ مگر کچھ دیر کے لئے ہمیں فرض کرنا چاہیئے۔ کہ بحر اوقیانوس کو مغرب سے مشرق کی طرف عبور کرنے میں پہلی جو ناممکن حالت تھی وہ اب بھی جاری ہے لیکن کولمبس کے بعد کئی صدیوں کے اندر ان لوگوں کی تعداد جو مشرق سے مغرب

کی طرف گئے تھے۔ بہت بڑھ گئی ہے۔ اور اُنھوں نے براعظم امریکہ پر اپنی اعلےٰ لیاقت اور تہذیب کے ساتھ ایک بڑی قوم بنالی ہے۔ اب ہماری طرح وہ تار برقی کو معلوم کرتے ہیں اور ہماری طرح ٹیلیفون استعمال کرتے ہیں۔ کچھ عرصے کے بعد وہ بغیر تار کے برقی پیغام رسانی کا اصول معلوم کرتے ہیں اور اُس پر عملدرآمد کرتے ہیں۔ اور اُس کے بعد بغیر تار کے ٹیلیفون کو مکمل کرتے ہیں۔

نووارد اپنے آپ کو واپس پہنچنے کے ناقابل پاکر فوراً کوشش کرینگے کہ پورانی دنیا کو اپنی بڑی معلومات کی خبر پہنچانے کے قابل ہونے کے لئے موجودہ سائنس کے تمام ذرائع استعمال میں لاویں۔ وہ بغیر تار کے برقی پیغام رسانی کے استعمال کو مکمل کرنے اور پھیلانے کی کوشش کرینگے۔ تاکہ براعظم یورپ کے کنارے پر اپنے دوستوں تک یہ خوشخبری پہنچانے کے قابل ہو سکیں۔ شروع میں اس طرف خبر حاصل کرنے کے کسی مقام کے نہ ہونے سے وہ ناکامیاب رہینگے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد حسن اتفاق سے امریکہ سے ایک بلا تار کا برقی پیغام کسی بحری ساحل کے مارکنی اسٹیشن پر (جہاں موجد بغیر تار برقی کا آلہ لگا ہو) پکڑا جاویگا۔

جب وہ پیغام آویگا۔ تو وہ کس طرح حاصل کیا جاویگا۔ اغلباً یہ غیر مکمل بے معنی اور ظاہرا بلا مطلب ہوگا۔ یہ کسی مشاق مسخرہ کی طرف منسوب کیا جاویگا یا ایک ایسا اٹکل پچو پیغام سمجھا جاویگا۔ جو یورپ کے کسی مقام سے کسی نے بھیجا ہو۔ اور اس طرح ایک لمبے عرصے تک خبر رسانی کی کوشش میں ناکامیابی رہیگی۔ کچھ وقفہ کے بعد کچھ مطلب رکھنے والا پیغام پہنچیگا۔ جواب دینے کی کوشش کی جاویگی۔ لیکن جواب شاید نہیں پہنچ سکینگے۔ جب کہ دوسری طرف کوئی اُس پیغام کو حاصل کرنے کے لئے بھی موجود ہوگا۔ ممکن ہے کہ آلات لگے کیل کانٹے درست نہ ہوں۔ یا پیغام ہی ایسے ٹوٹے پھوٹے ہوں۔ کہ سمجھ میں آنے کے ناقابل ہوں۔ چند دلیر آدمی جن کا یہ اعتقاد (خواہ وہ کیسا ہی روایت کی بنا پر یا دھن۔ لاہی کیوں نہ ہو) کہ سمندر کے لہروں کے پرے ایک اور دنیا ہے۔ کبھی بھی دور نہیں ہوا تھا۔ تجربے کرتے جاوینگے اپنا وقت او

روپیہ ضائع کرتے جاوینگے اور سائنٹفک دنیا کے ہنسی مخول سہتے جاوینگے *

آخرکار بے تعداد ناکامیابیوں کے بعد یہ ممکن ہے - کہ آخری تحقیقات کرنے والی مہم کا کپتان مندرجہ ذیل صاف اور ٹھیک مطلب کو لئے ہوئے پیغام حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے :-

"از طرف کپتان سمتھ "استقلال" جہاز والا بنام مسٹر فلاں لنڈن

ہم زندہ اور خیروعافیت سے ہیں - ہم نے نئی دنیا معلوم کرلی ہے - جو کرسٹوفر کولمبس اور اُس کے آدمیوں کی اولاد سے پُر ہے "

بغیر تار کے ایسے پیغام کے پہنچنے کا کیا نتیجہ ہوگا - یہ اغلباً مہم کی روانگی کے اتنے سالوں کے بعد پہنچیگا - کہ ابتداء میں کسی کو یاد بھی نہیں ہوگا - کہ کپتان سمتھ کون تھا - جب سابقہ کاغذات ملاحظہ کئے جاوینگے - اور اُس جہاز اور اُس کے کپتان کی ہستی کا ثبوت مل جاویگا - تو لوگ چونک اُٹھینگے اور بہت کچھ بحث مباحثہ ہوگا - نامعلوم ملک میں پہنچنے کے لئے ازسرنو کوشش شروع ہوجاویگی - لیکن دنیا کے "سیانے" آدمیوں کی بڑی تعداد اُس پیغام کو عملی مخول تصور کریگی - اور سائنس داں ہونے کا دعوےٰ کرنے والے لوگ اپنے آپ کو پوری تسلی دینے کے لئے یہ ثابت کردینگے - کہ ایسی کسی نئی دنیا کا موجود ہونا اور کسی ایسے پیغام کا درست ہونا ہی بالکل ناممکن ہے *

لیکن کچھ عرصے کے بعد اور پیغام آوینگے - جواب بھیجنے اور اُن کا جواب حاصل کرنے کا کوئی طریقہ معلوم کیا جاویگا - آخرکار سائنس داں دنیا اس ستیہ کو قبول کرنے کے لئے جاگ اُٹھیگی - کہ اس عجیب اور تقریباً ناقابل یقین بات کا جس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا تھا - کہ "بحر اوقیانوس سے پرے ایک اور دنیا ہے - اور کہ اُس کے باشندے بغیر تار کے برقی پیغام رسانی کے ذریعے یورپ کے ساتھ خط وکتابت کرسکتے ہیں" پورا پورا ثبوت مل گیا ہے اور تب جن مشکلات کا اُنہیں مقابلہ کرنا پڑیگا - وہ ٹھیک ویسی ہی مشکلات ہونگی - جن کا کہ ہمیں پرلوک کے متعلق ستیہ بشواس کی تحقیقات اور اُس کے متعلق لوگوں کو یقین کرانے میں سامنا کرنا پڑتا ہے - لیکن صبر استقلال اور

سمندر پار کے حالات جاننے کے کام کی روکوں کے لئے کافی گنجائش رکھو کہ جس سے آخرکار براعظم امریکہ کی موجودگی بہت مضبوط طور پہ قایم ہوگی ویسے ہی میں یقین کرتا ہوں کہ پرلوک کی ہستی بہت جلدی تمام شک و شبہ اور کل بیہودہ جھگڑوں سے پرے قایم ہونے والی ہے"؛

اس اصول کی تائید میں مسٹر سٹیڈ نے اپنے چند ایک تجربات بیان کئے ہیں۔ جن کو میں یہاں پر نقل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ یہ خیالات مرحوم مسٹر سٹیڈ کے ہی نہیں تھے۔ بلکہ اس وقت یورپ اور امریکہ کے تمام سائنس دانوں اور ریشنلسٹ صحاب کی دنیا اسی جھنڈے کے تلے آ رہی ہے اور اس قسم کی باطل پرستی کا کہ مرنے کے بعد انسان کی روح کتے۔ بلی۔ سوئر۔ بندر۔ اور گھاس پات کے قالب میں چلی جاتی ہے۔ یا انسان کی روح ایک کیمیائی فعل ہے اور وہ جسم کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے۔ سائنس اور ریشنلزم کے سامنے یقینی طور پر قلع قمع ہوتا چلا جا رہا ہے۔ پس بطور ایک ریشنلسٹ کے میں اس بات کو تسلیم کرنا کہ "آواگون" کے معتقد سوامی دیانند کی روح اُس کے بعض اعمال کی بدولت کسی حیوان یا کیڑے مکوڑے کی جُون میں چلی گئی ہوگی نہ صرف سوامی دیانندکی ہتک کرنا ہے۔ بلکہ انسانی دماغ کی بھی ہتک کرنا ہے۔ میں یہ مانتا ہوں۔ کہ نہ صرف سوامی دیانند ایک لطیف جسم کے ساتھ موت کی گھاٹی سے دوسری طرف زندہ موجود ہے۔ بلکہ دنیا کے تمام مہاپرش موت کی گھاٹی کو عبور کرکے بدستور سابق زندہ موجود ہیں فرق صرف اس قدر ہے کہ میرے اور اُن کے درمیان کثیف جسم کا پردہ موجود ہے۔ جس دن یہ پردہ دور ہؤا۔ میں اسی دن سوامی دیانند۔ حضرت عیسےٰ مسیح۔ حضرت محمد صاحب۔ حضرت گورو نانک صاحب کے ساتھ اسی طرح ملاقات اور گفتگو کروں گا۔ جس طرح کہ میں موجودہ جسم کے ساتھ اپنے عزیز و اقارب سے گفتگو کرتا ہوں۔ اب میں اس زندگی اور موت کے مسئلے پر بطور سوال و جواب کے زیادہ وضاحت سے لکھونگا +

چوتھی فصل

جیو مر کر کہاں جاتا ہے؟

شام۔ "جیو مر کر کہاں جاتا ہے؟"

رام۔ "جیو کبھی بھی نہیں مرتا۔ وہ امر ہے"

شام۔ "پھر یہ موت کس چیز کا نام ہے؟"

رام۔ "موت جنم کا نام ہے"

شام۔ "یہ بالکل غلط ہے"

رام۔ "کیسے؟"

شام۔ "موت اور جنم دو متضاد شبد ہیں۔ وہ مترادف کیسے ہو سکتے ہیں"

رام۔ "شبد متضاد ہیں۔ پرنتو پریوجن ایک ہی ہے"

شام۔ "یہ کیسے؟"

رام۔ "موت ایک نیا جنم ہے۔ اور جنم موت نہیں ہے۔ بس موت جنم کا نام ہے"

شام۔ "میں یہ بوجھارت نہیں بوجھا"

رام۔ "یہ کوئی بوجھارت نہیں۔ بالکل موٹی بات ہے۔ جس کو تم موت کہتے ہو۔ وہ دراصل جنم ہے"

شام۔ "ہم تو آتما کی جسم سے علیحدگی کا نام موت رکھتے ہیں"

رام۔ "اور جنم کس کو کہتے ہو"

شام۔ "ماتا کے گربھ سے بچہ کا اس دنیا میں آنا جنم ہے"

رام۔ "تمہارے خیال کے مطابق تو یہ بھی ایک پرکار کی موت ہے۔ کیونکہ بچہ

اپنے شریر کو جو کہ اس کے نستھول شریر سے اردگرد تھا چھوڑ کر اس دنیا میں آتا ہے۔ اگر شریر کا چھوڑنا موت ہے۔ تو جب بچہ گربھ روپی شریر سے علیحدہ ہو کر اس دنیا میں آتا ہے۔ تو سمجھنا چاہئے۔ وہ مر گیا۔ مگر تم اس کا نام جنم رکھتے ہو۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ جنم مرن محض نسبتی الفاظ ہیں۔ ورنہ دنیا میں موت دوت کچھ نہیں۔ جنم ہی جنم ہے ؎

شام ۔"مگر ماتا کے گربھ سے جب بچہ پیدا ہوتا ہے۔ تب وہ آتما اور شریر دونوں ہوتا ہے۔ اس لئے ہم کہتے ہیں۔ کہ وہ پیدا ہوا۔ لیکن جب آتما جسم سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ تب ہم کہتے ہیں۔ کہ وہ مر گیا۔ پس آتما کی جسم سے علیحدگی کا نام موت ہے ؎

رام ۔"آتما کبھی بھی جسم سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ وہ سدا ہی جسم میں رہتا ہے ؎

شام ۔"یہ بالکل جھوٹ ہے۔ اگر وہ سدا ہی جسم میں رہے۔ تو دنیا میں کوئی بھی نہ مرے ؎

رام ۔"میرے پیارے! دنیا میں کوئی بھی نہیں مرتا۔ سب ہی جسم میں رہتے ہیں اور سدا ہی جسم میں رہتے ہیں ؎

شام ۔"اگر سب ہی جسم میں رہتے ہیں۔ تو جب آتما اس ستھول شریر سے جدا ہو جاتا ہے۔ تو وہ کہاں جاتا ہے ؎

رام ۔"یم لوک میں چلا جاتا ہے ؎

شام ۔"واہ پوپ جی مہاراج! اور اس کو یم کے دوت پکڑ کر لے جاتے ہونگے ؎

رام ۔"وید میں ایسا ہی لکھا ہے۔ کہ وہ یم لوک میں جاتا ہے ؎

شام ۔"بالکل جھوٹ۔ آریہ ہو کر دھوکہ دیتے ہو۔ کہاں لکھا ہے ؎

رام ۔"دیکھو سوامی دیانند جی مہاراج وید کا حوالہ دیتے ہوئے ستیارتھ پرکاش میں لکھتے ہیں۔ کہ "यमेन वायुना" یعنی یم نام وایو کا ہے ارتھات جب جیو جسم سے علیحدہ ہوتا ہے۔ تب وہ "یمالہ" ارتھات آکاش میں ٹھیری ہوا کے اندر رہتا ہے۔ اسی کا نام یم لوک ہے ؎

شام ۔"ہاں ہے تو ٹھیک۔ لکھا تو ہے ؎

رامم ”تو پھر میں نے آریہ ہو کر تم کو کیا دھوکا دیا؟“
شامم ”کھشما کیجئے۔ میں نے آپ کے لئے اپ شبد استعمال کئے؟“
رامم ”میرے پیارے! آریہ سماج کے نوجوانوں میں یہ عام سپرٹ ہے کہ وہ بہت جلدی جوش میں آجاتے ہیں۔ تمہارا اس میں کیا قصور ہے۔ یہ عمر کا تقاضا ہے۔ اب تم کو معلوم ہو گیا۔ کہ جیو کہاں جاتا ہے؟“
شامم ”ہاں یہ تو معلوم ہو گیا۔ مگر یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ وہ جسم سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ اسی کو ہم کہتے ہیں۔ کہ فلاں شخص مر گیا؟“
رامم ”نہیں۔ نہیں۔ مر گیا نہیں۔ بلکہ کہنا چاہئے۔ کہ وہ پیدا ہوا۔ یا وہ ایک نئے جسم کے ساتھ ایک نئی دنیا میں داخل ہوا؟“
شامم ”تو پھر اُس کا یہ جسم تو نہ رہا؟“
رامم ”یہ جسم بھلا ہی نہ رہے۔ مگر وہ شریر سے تو جدا نہیں ہوا؟“
شامم ”وہ کونسا شریر ہے۔ جس سے وہ جدا نہیں ہوا؟“
رامم ”آتما بہت سے شریر رکھتا ہے۔ جو کہ اس پر تہ در تہ موجود ہیں؟“
شامم ”وہ کونسے؟“
رامم ”ایک تو وہ شریر جو کہ اُس کے ستھول شریر کے اردگرد ماتا کے گربھ کی اوستھا میں تھا۔ جس کو تیاگ کر وہ ایک نئے شریر کے ساتھ گربھ کی دنیا کو چھوڑ کر ایک وسیع دنیا میں آگیا۔ اس ستھول شریر کو چھوڑ کر وہ آگے دوسرے شریر دھارن کرتا ہے۔ اور اسی پرکار وہ مختلف شریروں میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور ہمیشہ زندہ رہتا ہے؟“
شامم ”اس ستھول شریر کو چھوڑ کر آتما کس شریر میں جاتا ہے؟“
رامم ”اس ستھول شریر کو چھوڑ کر آتما سوکشم شریروں کی دنیا میں داخل ہوتا ہے؟“
شامم ”کیا ستھول شریر کے بعد آتما کو بہت سے سوکشم شریر ملتے ہیں؟“
رامم ”ہاں! بہت سے سوکشم شریروں میں چکر لگانا پڑتا ہے؟“
شامم ”یہ سوکشم شریر کس قسم کے ہوتے ہیں؟“
رامم ”سوکشم شریر پانچ پرانوں۔ پانچ گیان اندری۔ پانچ سوکشم بھوت

اور من اور بدھی اِکا مجموعہ ہوتے ہیں۔ سوکشم شریر میں یہ سترہ چیزیں موجود رہتی ہیں"

شام "یہ تو کچھ تھیوسوفسٹوں کی گپ معلوم ہوتی ہے"

رام "نہیں میرے پیارے! تھیوسوفسٹوں کی گپ نہیں۔ بلکہ سوامی دیانند نے بھی شاستروں کے حوالے سے ایسا ہی ستیارتھ پرکاش میں لکھا ہے"

شام "اگر سوامی دیانند نے لکھا ہے۔ تب تو ٹھیک ہی ہے"

رام "اگر" کے کیا معنی ضرور لکھا ہے۔ اور بھی بہت کچھ لکھا ہے"

شام "تو کیا سوکشم شریروں کا سلسلہ بہت لمبا چوڑا ہوتا ہے"

رام "ہاں بہت لمبا چوڑا ہوتا ہے۔ جب تک جیو آتما ان تمام شریروں کے اندر سے نہیں گزر جاتا۔ وہ شریر کی دوسری دنیا میں داخل نہیں ہوسکتا"

شام "یہ شریر کس قسم کے ہوتے ہیں۔ اور کیسے ہوتے ہیں؟"

رام "یہ سوکشم شریر پیاز کے چھلکوں کی طرح آتما کے ارد گرد لپیٹے ہوتے ہیں۔ شاستر کار ان کو "کوش" بھی کہتے ہیں"

شام "تو کیا ہمارا استھول شریر بھی ان ہی "کوشوں" میں شامل ہے"

رام "ہاں ہمارا استھول شریر بھی ان ہی کوشوں میں سے ایک ہے۔ اور اس کو "ان مئے کوش" کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ ان اتیادی سے بنتا ہے"

شام "یہ بات تو بڑی آسانی سے میری سمجھ میں آگئی"

رام "اس کوش کے اندر آتما کے سوکشم شریر پوشیدہ رہتے ہیں۔ جن میں سے ایک پران مئے کوش ہے۔ جس کا مول آدھار یا خاص سہارا وایو ہے۔ اسی پران مئے کوش میں پران۔ اپان۔ سمان۔ اُدان۔ ویان کام کرتے ہیں"

شام "یہ کیا چیزیں ہوتی ہیں؟"

رام "استھول یا سوکشم شریر میں باہر سے جو ہوا اندر جاتی ہے۔ اس کو "پران" کہتے ہیں۔ جو ہوا اندر سے باہر آتی ہے۔ اس کو "اپان" کہتے ہیں۔ جو ہوا نابھی یا ناف میں عمل کرتی ہے۔ وہ "سمان" کہلاتی ہے۔ جو حلق اور پھیپھڑوں میں کام کرتی ہے۔ وہ "اودان" ہے۔ "ویان" وہ ہے۔ جس سے تمام جسم میں

حرکت کرتا ہے۔ اسی کا نام پران مئے کوش ہے۔ اور یہ بھی آتما کے سوکشم شریروں میں سے ایک شریر ہے"۔

شام "کیا ستھول شریر کے بعد جیو آتما میں یہ تمام چیزیں موجود رہتی ہیں؟"

رام "ہاں! ہاں! بالکل موجود رہتی ہیں۔ اور یہ پران اس کے سوکشم شریر میں اسی طرح کام کرتے رہتے ہیں۔ جس طرح کہ وہ ستھول شریر میں کام کرتے ہیں"۔

شام "تو کیا جیو آتما ستھول شریر کو چھوڑنے کے ساتھ ہی دوسرے ستھول شریر کو دھارن نہیں کر لیتا؟"

رام "ہرگز نہیں۔ مطلق نہیں"۔

شام "تو اس سے تو پنر جنم کا مسئلہ غلط ہو جاتا ہے"۔

رام "جس قسم کا تم پنر جنم مانتے ہو وہ محض جھوٹ ہے مگر جیو کا کثیف اجسام سے لطیف اجسام یا ایک کوش یا غلاف یا جسم یا پردہ کو اُتار کر دوسرے کوش یا غلاف یا جسم یا پردہ کا استعمال کرنا ہی نیا جنم لینا ہے۔ اور یہی پُنر جنم ہے"۔

شام "آپ کی بات سنے تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ جیو آتما سوکشم سے سوکشم شریروں کو ہی دھارن کرتا جاتا ہے۔ اور وہ ستھول شریر میں کبھی بھی واپس نہیں آتا۔ یہ تو ایک طرح پر برہمو سماج کا مسئلہ ہوا۔ جو کہتے ہیں کہ جیو آتما ترقی ہی ترقی کرتا جاتا ہے۔ پرنتو ہم ایسا نہیں مان سکتے"۔

رام "میرے پیارے میں نے یہ نہیں کہا کہ یہ برہمو سماج یا کسی دوسری سوسائٹی کا مسئلہ ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہہ رہا ہوں۔ کہ ستھول شریر کو چھوڑ کر جیو آتما کہاں جاتا ہے۔ اور کیسا شریر دھارن کرتا ہے۔ اور وہ شریر کب تک قائم رہتا ہے"۔

شام "تو کیا جیو آتما کا سوکشم شریر بھی ناش ہونیوالا ہوتا ہے؟"

رام "ہاں! ستھول شریر کی طرح جیو آتما کا سوکشم شریر بھی ناش ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ بھی جڑ پدارتھوں کا مجموعہ ہوتا ہے"۔

شام "کیا جیو آتما اس سوکشم شریر کو بھی ستھول شریر کی طرح تیاگ دیتا ہے؟"

رام "بے شک وہ اس سوکشم شریر کو بھی ستھول شریر کی طرح تیاگ دیتا ہے"۔

شام "کتنی مدت میں اس کو یہ سوکشم شریر تیاگنا پڑتا ہے"۔

راھم "اس کے لئے کوئی خاص مدت مقرر نہیں ہے۔ جیسے ستھول شریر کے لئے کوئی خاص مدت مقرر نہیں ہے۔ ویسے سوکشم شریر کے لئے بھی کوئی خاص عرصہ مقرر نہیں ہے"۔

شاھم "تو بھی انومان سے کتنی مدت ہو سکتی ہے"؟

راھم "انومان سے سوکشم شریر کے ناش کے لئے ایک منٹ یا منٹ کے کسی حصے سے لے کر سینکڑوں ہزاروں سالوں کی مدت بھی ہو سکتی ہے"۔

شاھم "کیا منٹ یا منٹ کے کسی حصہ تک بھی سوکشم شریر کی مدت ہوتی ہے۔ اور اتنی تھوڑی ہوتی ہے"؟

راھم "ہاں ہوتی ہے اور ہو سکتی ہے۔ جیسے بعض بالک ماتا کے گربھ سے پیدا ہونے کے ساتھ ہی ستھول شریر کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ویسے ہی بعض جیو آتما ستھول شریر سے پیدا ہوتے یا سوکشم شریر کو گرہن کرنے کے ساتھ ہی اُس کو چھوڑ دیتے ہیں"۔

شاھم "مگر ستھول شریر تو اس لئے تیاگنا پڑتا ہے۔ کہ اس میں کوئی عضو بالکل نکما ہو جاتا ہے۔ یا کمزور ہو جاتا ہے۔ یا کسی خاص بیماری وغیرہ کا شکار ہو جاتا ہے۔ مگر سوکشم شریر میں تو اس قسم کی کوئی بیماری نہیں ہوتی۔ تو پھر وہ شریر کیوں ناش ہو جاتا ہے اور جیو آتما کو اُس سے کیوں علیحدگی کرنی پڑتی ہے"؟

راھم "میرے پیارے۔ ابھی بتایا گیا ہے کہ سوکشم شریر پانچ پران۔ پانچ گیان اندری۔ پانچ سوکشم بھوت اور من اور بُدھی کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اگر ان سترہ چیزوں میں سے کوئی بھی چیز اپنی اصلی حالت سے ہٹی ہوئی ہو۔ یا جس قدر ہٹی ہوئی ہو۔ اسی قدر سوکشم شریر اپنی صحت سے ہٹا ہوا ہوگا۔ اور کمزور ہوگا۔ اسی قدر اُس کی زندگی کا عرصہ کم ہوگا۔ جیسے ماتا کے گربھ میں بچے کا جو انگ اصلی خوراک نہ پا کر کمزور رہ جاتا ہے۔ اسی طرح اس ستھول شریر میں سوکشم شریر کے جس انگ کو اس کی اصلی خوراک نہیں ملتی۔ وہی ونگ مارا جاتا ہے یا کمزور رہ جاتا ہے۔ اور جب جیو آتما اس ستھول شریر کو چھوڑ کر سوکشم شریر کے ساتھ جنم لیتا ہے۔ تو وہ کمزور یا ناقص انگ اس سوکشم شریر کی زندگی کے قیام پر اثر

ڈالتا ہے۔ اور اسی نقص یا کمزوری کے مطابق سوکشم شریر کی حالت ناقص یا کمزور ہوتی ہے۔ اگر یہ نقص یا کمزوری حد سے زیادہ ہو۔ تو جیو آتما ستھول شریر کو چھوڑنے کے بعد سوکشم شریر کو بھی دھارن نہیں کر سکتا۔ یا اگر دھارن کرتا بھی ہے تو وہ ایک مریل بچے کی طرح بہت جلد ہی اس سے علیحدہ ہونے کے لئے مجبور ہوتا ہے۔“

شام ۔ ”تو کیا ستھول شریر کے ساتھ ساتھ سوکشم شریر کو مضبوط کرنے کا بھی کوئی سادھن ہے؟“

رام ۔ ”ہاں سادھن ہے۔ پرانایام کے ذریعے پانچوں پرانوں کو شدھ اور پشٹ کرنا۔ گیان کے ذریعے گیان اندریوں کو شدھ اور پوتر کرنا۔ من اور بدھی کو ستیہ اور تپ کے ذریعے ملین ہونے سے بچانا اور پرکرتی میں مدہوش ہونے سے اپنے آپ کو بچانا اتیادی انیک سادھن ہیں۔ جن کے کرنے سے جہاں اس لوک میں یش ملتا ہے۔ اور ستھول شریر ٹھیک رہتا ہے وہاں ان ہی سادھنوں کے ذریعے سوکشم شریر بھی پشٹ اور بلوان ہوتا ہے۔ یہی سادھن ہیں۔ جن کے کرنے کے لئے تمام رشی منی پراچین کال سے زور دیتے چلے آئے ہیں۔“

شام ۔ ”تو اس کا یہ مطلب ہوا۔ کہ سوکشم شریر کے ذریعے جیو آتما قائم رہتا ہے اور وہ ایک ستھول شریر کو چھوڑ کر آناً فاناً دوسرے شریر کو دھارن نہیں کر لیتا۔“

رام ۔ ”سوکشم شریر کے ساتھ جیو آتما قائم رہتا ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ ستھول شریر چھوڑنے کے بعد جیو آتما کتے۔ بلی۔ سوئر۔ بندر یا گھاس پات کے قالب میں چلا جاتا ہے بالکل غلط ہے۔ ہاں لازمی شرط یہ ہے۔ کہ جیو آتما کے لئے شریر کی ضرورت ہے۔ جب تک اس کے پاس ستھول شریر ہے۔ وہ اس میں قایم رہیگا۔ جب ستھول شریر نہیں رہتا۔ تو پھر وہ سوکشم شریر میں قائم رہتا ہے۔ جب سوکشم شریر بھی نہیں رہتا۔ پھر وہ کسی دوسرے لطیف تر جسم کو دھارن کرتا ہے۔“

شام ۔ ”کیا سوکشم شریر کے علاوہ کوئی اور شریر بھی ہوتا ہے؟“

رام "ہو سوکشم شریروں کا سلسلہ جب ختم ہو جاتا ہے تو پھر "کارن شریر" کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ جیسے سوکشم شریر پر ستھول شریر کا پردہ ہے ویسے ہی کارن شریر پر سوکشم شریر کا پردہ ہے۔ جیسے ستھول شریر کے تیاگنے کے بعد جیو آتما سوکشم شریر کو دھارن کرتا ہے۔ ویسے ہی سوکشم شریر کو تیاگنے کے بعد جیو آتما کارن شریر کو دھارن کرتا ہے :-

شام "کارن شریر کیسا ہوتا ہے :-"

رام "کارن شریر پرکرتی کی نہایت ہی لطیف حالت کو دھارن کئے ہوئے ہوتا ہے۔ اور کارن شریر میں گیان اندری اور من اور بدھی نہایت ہی لطیف حالت میں موجود رہتے ہیں۔ کارن شریر نہایت ہی لطیف ہوتا ہے ہر ایک سوکشم شریر میں کارن شریر ہوتا ہے۔ مگر ہر ایک جیو آتما سوکشم شریر کو چھوڑ کر کیول کارن شریر کے ذریعے ہی قائم نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ کارن شریر کے قیام کے لئے گیان اندریوں اور من اور بدھی کا ایک نہایت ہی اعلےٰ درجہ تک بڑھا ہوا ہونا ضروری ہے۔ جو لوگ ستھول شریر میں اور پھر سوکشم شریر میں گیان اندریوں۔ من اور بدھی کو ادھک سے ادھک اوجل اور نرمل رکھتے رہتے ہیں۔ وہی ہیں جو سوکشم شریر کو چھوڑ کر کارن شریر میں جا سکتے ہیں۔ اور اس کو بغیر سوکشم شریر کی مدد کے قائم رکھ سکتے ہیں :-"

شام "مگر جو کارن شریر کو بھی اس کی طبعی عمر تک بھوگتے ہیں۔ وہ کارن شریر کو چھوڑ کر ستھول شریر کو دھارن کرتے ہیں۔ یا کوئی اور شریر ان کو ملتا ہے :-"

رام "جو جیو آتما کارن شریر کو چھوڑ کر آگے بڑھنے کے قابل ہوتے ہیں وہ "مہتر یہ شریر" کو دھارن کرتے ہیں۔ جو کہ کارن شریر سے زیادہ لطیف ہے۔ اس شریر کے بعد جیو آتما دوسرے لطیف سے لطیف شریروں کو دھارن کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس پر ایک ایسی حالت آ جاتی ہے۔ جس کو کہ عام اصطلاح میں مکتی یا نجات کی حالت کہا جاتا ہے +

۱

پانچویں فصل

آنند کی گھڑی

شام۔ آپ کی بات چیت سے میرے دل میں یہ شک پیدا ہو گیا ہے کہ جیو آتما ستھول شریر کو چھوڑ کر سوکشم یا کارن شریر میں بھی کرم کرتا رہتا ہے۔ حالانکہ آریہ سماج کا یہ سدھانت ہے کہ منش کا ستھول شریر ہی کرم یونی ہے۔ باقی سب شریر بھوگ یونی ہیں؟

رام۔ یہ آریہ سماج کا یہ سدھانت نہیں ہے۔ بلکہ دیانندی فرقے کا یہ خیال ہے۔ کہ جیو آتما ستھول شریر کو چھوڑنے کے ساتھ ہی کسی کتے۔ بلی۔ سؤر بندر۔ آدمی۔ گھاس پات وغیرہ کی جون میں چلا جاتا ہے۔ جو کہ ایک احمقانہ خیال ہے۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ انسان کا موجودہ جسم ہی کرم یونی ہے۔ باقی تمام اجسام بھوگ یونی ہیں۔ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اگر یہ صحیح ہو۔ تو کثیف جسم کو چھوڑ کر جیو مکتی کی اوستھا میں جو کرم کرتا ہے۔ وہ غلط ہو جاتا ہے؟

شام۔ یہ دوسری بات آپ نے سدھانت وِرودھ کر دی۔ کیونکہ مکتی کی اوستھا میں تو جیو کرم ہی نہیں کرتا؟

رام۔ تو کیا مٹی یا جڑ ہو جاتا ہے؟

شام۔ مٹی یا جڑ تو نہیں۔ لیکن وہ کرم نہیں کرتا؟

رام۔ اگر کرم نہیں کرتا۔ تو یہ جو شتپتھ برہمن کے ۱۴ کانڈ میں لکھا ہے کہ شرنون۔ شروترم بھوتی۔ سپرشین توگبھوتی۔ پشین چکشو بھوتی۔ یعنی مکتی کی اوستھا میں جب جیو سننا چاہتا ہے۔ تو اس میں قوت شنوائی۔ اور جب چھونا چاہتا ہے تو قوت لامسہ اور جب دیکھنا چاہتا ہے۔ تو بینائی

آجاتی ہے۔ کیا یہ غلط ہے ؟"

شام:۔ "مگر برہمن گرنتھوں میں تو بہت سی فضول باتیں بھی بھری پڑی ہیں جو ماننے کے لائق نہیں ہیں ؟"

رام:۔ "لیکن اوپر والی بات تو فضول نہیں ہے۔ اس کو تو سوامی دیانند نے بھی مانا ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے ستیارتھ پرکاش میں بھی اس کا حوالہ دیا ہے ؟"

شام۔ تب تو یہ سدھانت وِرودھ نہیں ہے ؟"

رام:۔ "تمہاری اس بات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس بات کے ساتھ سوامی دیانند کا نام آجائے۔ اس کو تو تم آنکھ بند کر کے مان لوگے۔ لیکن جس بات کے ساتھ سوامی دیانند کا نام نہ آئے۔ وہ خواہ سچ بھی ہو۔ تم اُس کو نہیں مانو گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ تم حقیقت پرست نہیں ہو۔ بلکہ مردم پرست ہو۔ اور دیانندی ہو"

شام:۔ "اچھا اس کو جانے دیجئے۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر مکتی کی اوستھا میں جیو کرم کرتا رہتا ہے۔ تو ان کا پھل بھی اس کو ملتا ہوگا؟"

رام:۔ "برابر ملتا رہتا ہے"

شام:۔ "لیکن یہ جو لکھا ہے۔ کہ مکتی میں انسان کے تمام کرم ناش ہو جاتے ہیں۔ کیا یہ غلط ہے ؟"

رام:۔ "غلط تو نہیں ہے۔ لیکن تم غلط سمجھے ہو۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان کے تمام بُرے کرم چھوٹ جاتے ہیں اور اس کے ہردے کی گرہ کٹ جاتی ہے۔ اور تمام شکوک دور ہوجاتے ہیں۔ ارتھات وہ کرم اور گیان کے ذریعے پورن کمال کو حاصل کر لیتا ہے۔ تب وہ مکتی کا آنند بھوگتا ہے۔ اگر یہ کہو۔ کہ مکتی کی حالت میں وہ کرم ہی نہیں کرتا۔ تو یہ غلط ہے ؟"

شام:۔ "کتنے جنموں کے بعد مکتی ہو سکتی ہے ؟"

رام:۔ "اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ کتنے جنموں کے بعد مکتی ہوتی ہے۔ جیتے جی بھی انسان مکتی کو پا سکتا ہے"

شام ۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

رام ۔ "جو انسان دنیا میں رہتا ہوا بھی دنیا سے الگ رہتا ہے۔ اور پورن گیانی ہوتا ہے۔ شوک اور دکھ سے الگ اور لوبھ۔ موہ سے اوپر ہوتا ہے۔ نشکام کرم اور پرا وپکار میں لگا رہتا ہے وہ جیتے جی بھی مکتی کا آنند بھوگتا ہے"

شام ۔ "اگر جیتے جی مکتی ہو جائے۔ تو انسان موت کے دکھ سے تو بچ جائے"

رام ۔ "موت کے بارے میں جواب دیا جا چکا ہے وہ کوئی دکھدائی چیز نہیں ہے کہ جس سے چھٹکارا پانا ہی انسان اپنی زندگی کا مقصد بنائے"

شام ۔ "موت سے بڑھ کر دکھدائی چیز تو دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ یہ دکھدائی ہی نہیں ہے"

رام ۔ "جس کو تم موت کہتے ہو اس سے بڑھ کر آنند کی چیز ہی کوئی نہیں ہے۔ تم اس کو دکھدائی سمجھ کر دھوکہ کھاتے ہو"

شام ۔ "آپ کے خیالات بڑے عجیب ہیں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں۔ کہ موت کیسے آنند کی چیز ہے۔ مجھے تو اس کے نام سے ڈر لگتا ہے"

رام ۔ "اگر میں تم کو سارا دن سخت محنت کے کام میں لگا رکھوں۔ تم سے ۴ گھنٹے زمین کھودنے کا کام لوں۔ ۳ گھنٹے کولھو چلانے کا کام لوں۔ ۲ گھنٹے دوڑنے کا کام لوں۔ ۲ گھنٹے لکڑی کاٹنے کا کام لوں۔ ۲ گھنٹے پانی بھروانے کا کام لوں۔ اور دو گھنٹے ہل چلواؤں۔ اور دو گھنٹے ورزش کراؤں۔ اور ایک گھنٹہ تم سے ایک بانس پر اترنے چڑھنے کا کام کراؤں۔ اس طرح تم سے دن بھر میں ۱۸ گھنٹے کا سخت کام کرواؤں۔ تو بتاؤ۔ تم کیا آرزو کرو گے؟"

شام ۔ "اگر آپ مجھ سے ۱۸ گھنٹے اتنا سخت کام لیں۔ تو میں تھک جاؤں۔ اور دوسرے دن کبھی آپ کی نوکری ہی نہ کروں۔ اور فوراً آپ کے پاس سے بھاگ جاؤں"

رام ۔ "بھاگنے کی بات تو دوسری رہی۔ لیکن فرض کرو۔ تم بھاگتے نہیں

ہو۔ بلکہ روز ۱۰ گھنٹے کام کرتے ہو۔ تو کیا رات کو تمہارے دل میں یہ خیال نہیں آئیگا کہ اب ذرا آرام کرلیں اور سولیں؟"

شام "یہ خیال تو ضرور ہی آئیگا۔ خیال کیا بلکہ اس وقت کی انتظار میں آنکھیں دکھ جائینگی۔ جبکہ اتنا سخت کام کرکے آرام کی نیند سونا نصیب ہوگا"

رام "غالباً تم اتنا سخت کام کرکے رات کو جاگنا پسند نہیں کروگے بلکہ فوراً سونے کی کروگے"

شام "جاگنا کس کا بغیر روٹی کھائے سوجاؤں گا۔ اور رات بھر میں کروٹ بھی نہ بدلوں گا"

رام "اور تم کو خوب میٹھی نیند آئیگی"

شام "بہت میٹھی نیند آئے گی۔ اس میں شک ہی کیا ہے"

رام "دوسرے دن تم تازہ دم ہو جاؤگے"

شام "بے شک تازہ دم ہو جاؤں گا"

رام "اور اگر تم سخت کام کرنے کے بعد نیند نہ لو تو تم کام بھی نہ کرسکوگے"

شام "اس میں کوئی شک نہیں"

رام "اب تم موت کی پہیلی کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ موت ایک میٹھی نیند ہے۔ خوشگوار نیند ہے۔ جو ایک تھکے ماندے اور چور چور ہوئے ہوئے مسافر کے لئے بطور ایک آسمانی فرشتہ کے نمودار ہوتی ہے۔ انسان دنیا کے کاروبار میں غرق ہو۔ اور وہ آرام نہ کرے۔ یہ ہو نہیں سکتا۔ ہماری لمبی لمبی عمریں ایک بے حد وقت کے مقابلے میں چند گھنٹوں یا ایک دن سے بڑھکر وقعت نہیں رکھتیں۔ جب ہم کام کرتے کرتے تھک جاتے ہیں۔ تو منگل مے پرماتما اپنی اپار کرپا اور دیا سے ہم کو آرام دینے کی غرض سے ہم پر نیند طاری کرتے ہیں۔ لوگ اس کو موت کہتے ہیں۔ احمق لوگ اس سے ڈرتے ہیں۔ لیکن عاقل عامل ہر وقت اس آنند بھری نیند کے لئے منتظر رہتے ہیں۔ وہ

اس سے ڈرتے نہیں۔ بلکہ اس کو خوش آمدید کہتے ہیں۔"

شام ۔" میں سمجھ گیا۔ اور بالکل سمجھ گیا۔ لیکن مرتے وقت انسان کو دکھ تو بہت ہوتا ہوگا۔"

رام ۔" کوئی دکھ نہیں ہوتا۔ کیا جس وقت آپ پر گہری نیند طاری ہوتی ہے تو آپ کو کبھی دکھ ہوا ہے۔"

شام ۔" کبھی نہیں۔"

رام ۔" یہی حالت موت کے لمحوں کی ہوتی ہے۔ اس وقت انسان کسی قسم کا دکھ محسوس نہیں کرتا۔ بلکہ اس کو ایک قسم کی راحت محسوس ہوتی ہے۔"

شام ۔" لیکن کئی انسان مرتے وقت رونے چلاتے ہیں۔"

رام ۔" وہ بیماری کی حالت میں رونے چلاتے ہیں۔ بیماری سے انسان کو درحقیقت تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن جس کو تم موت کے لمحے کہتے ہو۔ اس وقت کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔"

شام ۔" آپ یہ بڑی عجیب بات کر رہے ہیں۔"

رام ۔" عجیب بات نہیں۔ بلکہ بالکل معمولی سی بات ہے۔ صرف سمجھنے کی ضرورت ہے۔"

شام ۔" کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں۔ کہ موت کے لمحے کیوں آنند مے ہوتے ہیں؟"

رام ۔" دیکھو۔ انسان کو جس قدر دکھ ہوتا ہے۔ وہ اُس کی گیان یا کرم اندریوں کے ذریعے ہی محسوس ہوتا ہے۔ جس شخص کے سونگھنے کی طاقت ماری گئی ہے۔ اس کو بدبو سے تکلیف نہیں ہوگی۔ جس شخص کے ذائقے کی طاقت ماری گئی ہے۔ اُس کو کڑوی چیز سے کوئی دکھ نہیں ہوگا۔ جس شخص کی مس کی طاقت ماری گئی ہے۔ اس کے جسم میں خواہ سوئی چبھو دو۔ اُس کو کوئی دکھ نہیں ہوگا۔ جن لمحوں کو تم موت کے لمحے کہتے ہو۔ اس وقت دکھ محسوس کرنے والی اندریاں کمزور ہو جاتی ہیں۔ جب اندریاں ہی کمزور

ہو گئیں تو پھر دُکھ کا ہے کا؟"

شام "یہ تو کلوروفارم کی سی بیہوشی والی بات ہوئی؟"

رام "کلوروفارم کے ذریعے سے بھی جب انسان بیہوش کر دیا جاتا ہے تو پھر خواہ اُس کا کوئی انگ کاٹ لو اُس کو دُکھ ہی نہیں ہوتا کیونکہ دُکھ محسوس کرنے والی شکتی کو بیہوش کر دیا جاتا ہے۔ لیکن موت کے لمحوں کی بیہوشی کلوروفارم کی بیہوشی سے کسی قدر مختلف رہتی ہے؟"

شام "اس میں کیا فرق ہوتا ہے؟"

رام "کلوروفارم کی بیہوشی میں چونکہ انسان کو زبردستی بیہوش کیا جاتا ہے۔ اس لئے اس میں اس کو کوئی آنند نہیں آتا۔ لیکن موت کے لمحوں کی بیہوشی میں خاصکر وہ موت جو کہ ایک لمبی بیماری کے بعد واقع ہوتی ہے۔ انسان کو ایک خاص راحت ملتی ہے۔ جو کہ اس راحت سے مشابہ ہوتی ہے جو کہ ایک تھکے ماندے مسافر کو منزل مقصود پر پاؤں پسار کر سوتے وقت حاصل ہوتی ہے؟"

شام "اس سے ثابت ہوا کہ لمبی بیماری کے بعد مرنا اچھا ہے؟"

رام "مرنا جینا تو کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ تو ایک کھیل تماشا ہے۔ جو لوگ لمبی بیماری کے بعد اس تماشے کو ختم کرتے ہیں۔ وہ تماشے کے آخری سین سے پہلے دُکھ اُٹھا لیتے ہیں۔ ڈراپ سین کے وقت ان کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ جیسے سن کے بنڈل پانی میں کئی ماہ تک دبائے رکھنے سے سڑ گل کر اس قدر نرم ہو جاتے ہیں کہ اُن کا اوپر کا ریشہ آسانی سے الگ کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ طبعی عمر بھوگ کر یا اچھی طرح بیماری کی حالت کے اندر سے گزر کر ستھول چھلکے کو اتارتے ہیں اُن کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوتی۔ بلکہ جیسے سڑے گلے میلے کچیلے پھٹے پُرانے کپڑے کو اُتارتے وقت انسان کچھ راحت محسوس کرتا ہے۔ ان کو بھی راحت ہی ملتی ہے؟"

شام "گستاخی معاف۔ کیا آپ یہ سب زبانی ہی کہہ رہے ہیں۔ یا تجربات کی بنا پر؟"

رام :- کہہ تو زبان سے ہی رہا ہوں۔ اس لحاظ سے تو یہ زبانی ہوا۔ لیکن جو کچھ کہہ رہا ہوں۔ اس میں میرے بہت سے ذاتی تجربات بھی شامل ہیں"

شام :- موت کا تجربہ آپ کو کیسے ہوا۔ جب کہ آپ زندہ ہیں"

رام :- میں روز ہی موت کا تجربہ کرتا ہوں۔ جب میں دن بھر کام کرتا کرتا تھک جاتا ہوں تو قدرتاً خیال پیدا ہوتا ہے کہ اب سو جانا چاہیئے۔ چنانچہ بڑی میٹھی نیند آتی ہے۔ یہ موت کا تجربہ نہیں تو اور کیا ہے؟"

شام :- یہ تو آپ دل لگی کرتے ہیں۔ کیا اصلی موت کا بھی آپ کو تجربہ ہوا ہے"

رام :- ہاں اصلی موت کا بھی تجربہ ہوا ہے۔ کئی انسان میرے ہاتھوں میں مرے ہیں اور میں نے مرنے سے ایک گھنٹہ پہلے ان کی تمام حالت کو بغور دیکھا ہے اور اُن کے آخری لمحوں پر میں نے اُن کے متعلق کئی ایسے تجربات بھی کئے ہیں۔ جن سے میں نے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ موت کے لمحے بڑے ہی خوش گوار لمحے ہوتے ہیں"

شام :- کیا آپ اُن تجربات میں سے کوئی بتا سکتے ہیں؟"

رام :- ہرگز نہیں"

شام :- پھر آپ کے تجربوں سے کسی کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟"

رام :- میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں۔ کہ جس وقت انسان مرنے لگے۔ اس کے رشتہ داروں کو یا عزیز و اقارب کو چاہیئے۔ کہ وہ اس کے اس آنند میں جو کہ اُس کو موت کے لمحوں میں مل رہا ہے۔ کسی قسم کا بگھن نہ ڈالیں۔ بلکہ اگر ممکن ہو تو اس کو زیادہ کرنے میں مدد دیں"

شام :- اس کا کیا مطلب"

رام :- اس کا یہ مطلب ہے۔ کہ جس وقت موت کا وقت نزدیک آئے۔ اس وقت مریض کے پاس کسی قسم کا شور و غل نہ کیا جائے۔ جو لوگ اس کے سرہانے کھڑے ہو کر رونے لگ جاتے ہیں۔ میرے خیال میں وہ ایک بڑا بھاری

جرم کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ مرنے والا اس وقت کس آنند میں ہے تو وہ اپنی چیخ چلاہٹ سے کبھی اس کو نقصان نہ پہنچائیں ایسے لوگوں کو فوراً اس جگہ سے الگ کر دینا چاہئے۔ مریض کے کمرے میں ایک مدھم سی خوشبودار عود کی بتی جلا دینی چاہیئے۔ لیکن خوشبو زیادہ تیز نہیں ہونی چاہئے نہ ہی دھواں ہونا چاہئے۔ مریض کی آنکھوں کے سامنے کسی شخص کو کھڑا یا بیٹھنا نہیں چاہیئے۔ مریض کے اسی کمرہ میں یا اس کے ساتھ والے کمرے میں کسی نہایت ہی میٹھی آواز والے مرد یا عورت کو اس کی کسی مذہبی کتاب میں سے اس قسم کی عبارت پڑھ کر سنانی چاہیئے۔ یا اس قسم کا بھجن گانا چاہئے جس میں روح کی یاترا کے آنے والے عمدہ نظاروں کا نقشہ کھینچا گیا ہو۔ مگر آواز زیادہ اونچی ہرگز نہ ہو۔ مریض کے پاس اس گانے کی آواز کے سوائے دوسری آواز نہیں ہونی چاہیئے مکان کے تمام دروازے اور کھڑکیاں کھول دینی چاہئیں۔ اگر موت کھلے آسمان کے نیچے ہو تو نہایت ہی عمدہ بات ہے۔ لیکن اس مطلب کے لئے مرنے کے وقت مریض کو اس کی جگہ سے اِدھر اُدھر گھسیٹنا ایک وحشی پن ہے ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیئے۔ ہندوؤں میں جو یہ رسم ہے کہ وہ مرنے سے پہلے مرنے والے کو اوپر کی چھت پر سے کھینچ کر نیچے زمین پر لے آتے ہیں یہ بڑا ہی وحشی پن ہے اور مرنے والے کے ساتھ سخت ظلم ہے۔ مرنے والے کے کمرے میں کسی قسم کا شور کرنا یا رونا تو ایک سنگین جرم سمجھنا چاہیئے اس سے بڑھ کر گناہ زندوں کی طرف سے مرنے والے کے حق میں شاید دوسرا کوئی نہیں ہوگا۔ اگر ان کو موت کے بھیوں کی حقیقت کا پتہ لگے تو وہ اس قسم کی کوئی بھی حرکت نہ کریں۔ ایک مسافر جو ایک دور دراز کا سفر کر کے تھک گیا ہے۔ اور سونے کی تیاری کر رہا ہے اس کے سرہانے اگر اس کی بیوی یا رشتہ دار چیخنا چلانا شروع کر دیں۔ تو کیا وہ اس کے دوست ہونگے یا دشمن؟"

شاہم "تو کیا مرنے کے بعد بھی نہیں رونا چاہیئے؟"

راہم "جو لوگ جنم مرن کی پہیلی کو سمجھتے ہیں۔ وہ تو مرنے کے بعد بھی چند دن

روتے نہیں دیکھے جاتے۔ ہاں اگر مرنے کے بعد کسی کو رونا آ جائے تو رو لے لیکن سیاپہ وغیرہ کرنا یا دُہتڑ پیٹنا سخت بری بات ہے۔"

شام "آپ نے کہا تھا۔ کہ مرنے کے بعد جیو آتما سوکشم شریر کے ساتھ اکاش میں موجود رہتا ہے۔ جب وہ موجود رہتا ہے۔ تو ہمارے ساتھ اس کا کچھ نہ کچھ تعلق بھی رہتا ہی ہو گا؟"

رام "استھول بندھنوں کے ٹوٹ جانے پر جیو آتما ہماری موجودہ دنیا سے زیادہ روشن اور وسیع دنیا میں داخل ہوتا ہے۔ جب بچہ ماں کے پیٹ سے باہر آ جاتا ہے۔ تو ماں کے پیٹ کی اندرونی چیزوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہتا۔ حالانکہ اس سے پیشتر وہ ماتا کے گربھ میں گربھ کے اردگرد کی چیزوں سے گھرا ہوا تھا باہر آ کر وہ کبھی یہ خواہش نہیں کرتا۔ کہ اسی گربھ میں پھر چلا جائے یا اُس کو یاد کر کے روئے۔ یا دُکھی ہو۔ بلکہ وہ گربھ کے مل موتر سے نفرت کرتا ہے اور باہر کی تازہ ہوا۔ روشن زمین میں آ کر آنند اُٹھاتا ہے۔ اسی طرح مرنے کے بعد جیو آتما استھول شریر کو چھوڑ کر سوکشم شریر کو حاصل کر کے ہماری استھول دنیا اور استھول تعلقات سے بہتر دنیا اور بہتر تعلقات میں چلا جاتا ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ دوسرے پرانیوں کو بھی اس بہتر دنیا میں آنے کا موقع ملے۔"

شام "کیا ہماری موجودہ زمین سے بہتر زمین بھی کہیں ہے؟"

رام "ہاں ہے۔ جس طرح جیو آتما کے اجسام مختلف ہیں۔ اسی طرح ان اجسام کے مطابق اس کے رہنے کے کُرّے بھی مختلف ہیں۔"

راہم :- غضب ہوگیا۔ جب آپ اتنی موٹی بات کو بھی نہیں سمجھتے تو پھر آگے چل آپ جنم مرن کی پہیلی کو کیا سمجھینگے۔ آپ برہمانڈ کا مطلب تو سمجھتے ہیں ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌+

شاہم :- ہاں برہمانڈ کا مطلب تو جانتا ہوں۔+

راہم :- بتاؤ کیا جانتے ہو؟

شاہم :- برہمانڈ کے معنی وہ انڈا جو سب سے پہلے برہما نے دیا“+

راہم :- فضول بکتے ہو“+

شاہم :- فضول تو نہیں بکتا۔ بلکہ پرمان سہت بوتا ہوں۔ منو بھگوان نے بھی ایسا ہی لکھا ہے“+

راہم :- کہاں لکھا ہے۔ بتاؤ؟“

شاہم :- منو سمرتی کے پہلے ادھیائے کے نویں شلوک میں لکھا ہے کہ:-

”تد۔ انڈم۔ بھودیم۔ سہسر۔ آنشُو۔ سم۔ پربھم +

تسمن یگئے۔ سوئم۔ برہما۔ سرو۔ لوکا۔ پتا مہا+“

انرتھ۔ سرو لوک کے پتا مہا برہما نے سب سے پہلے ایک بہت ہی خوبصورت انڈا دیا تھا۔ اور پھر انڈا دے کر

”تسمن۔ انڈے۔ سہ۔ بھگوان۔ اُشی توا۔ پری وتسرم۔

سوئیم۔ ایو۔ آتمنو۔ دھیانات۔ تد۔ انڈو۔ کرود۔ دودھا“+

اس بھگوان پتا مہا برہما نے بہت عرصے تک اس انڈے کو سیا۔ اور ایک خاص عرصے تک دھیان کے ساتھ سینے سے وہ انڈا دو ٹکڑے ہو گیا“+

راہم :- تم اس کا مطلب نہیں سمجھے“+

شاہم :- آپ ہی سمجھا دیجئے۔ میں نے تو پہلے ہی آپ سے کہہ دیا ہے کہ میری عقل موٹی ہے“+

راہم :- پہلے انڈے کا مطلب سمجھ لو۔ انڈا ایک قسم کا کُرہ ہے۔ جس میں مختلف قسم کے کُرے موجود ہوتے ہیں۔ ان کُروں کی تعداد سات ہوتی ہے۔ (۱) سب سے اوپر کا کُرہ ایک قسم کا ٹھوس چھلکا ہوتا ہے۔ جس

کو انگریزی میں شیل (Shell) کہتے ہیں۔ (۲) اس کے بعد ایک پتلی سی سفید جھلّی کا کُرہ ہوتا ہے۔ اس کو فائبرس ممبرین کہتے ہیں۔ (۳) اس سفید جھلّی کے بعد انڈے کی سفید رطوبت رہتی ہے۔ (۴) اس سفید رطوبت کے بعد ایک دوسری جھلّی کا کُرہ ہوتا ہے۔ جو کہ انڈے کی زردی کے ارد گرد لپٹا ہوتا ہے۔ (۵) اس کے بعد انڈے کی زردی کا پانچواں کُرہ آتا ہے۔ جس کو انگریزی میں یولک (Yolk) کہتے ہیں۔ (۶) اس زردی کے کُرہ کے بعد ایک چھٹا کُرہ آتا ہے۔ جس کو انگریزی میں نک لیوس (Nucleus) کہتے ہیں۔ (۷) اس چھٹے کُرے کے بعد وہ طبقہ آتا ہے۔ جس کو سنتھول شریر کی زندگی کا طبقہ یا "نک لیولس" (Nucleolus) کہتے ہیں۔ ہر ایک انڈے میں خواہ وہ انسان کا انڈا ہو۔ خواہ حیوان کا۔ خواہ نباتات کا انڈا ہو۔ اس میں یہ سات کُرے موجود ہوتے ہیں۔ جو منتر اوپر دیا گیا ہے۔ اس میں جو "سپت پردھی" ارتھات برھمانڈ میں سات قسم کے کُروں کا ذکر آتا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے ایک معمولی سے انڈے کی اندرونی حالت کا مطالعہ بہت ہی عمدہ رہبر ہے۔ اسی "سپت پردھی" کا ترجمہ برھمانڈ کیا گیا ہے۔ منو بھگوان نے جو انڈے کا شبد استعمال کیا ہے وہ ایک انڈے کے سات کُروں کی طرح اس "سپت پردھی" ارتھات سات پرکار کے کُروں پر مشتمل کائنات کو ہم لوگوں کے ذہن نشین کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ اور اس کائنات کی بناوٹ کو سمجھنے کے لئے انڈے سے بہتر شبد یا بناوٹ کوئی دوسری نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ انڈے کا مسئلہ یا "ایگ تھیوری" "Egg Theory" بذات خود ایک قطعی وسیع اور علیحدہ مضمون ہے۔ اسی ایگ تھیوری "Egg Theory" پر یورپ کے موجودہ ایوولیوشنسٹ "Evolutionists" کی تمام ایوولیوشن کی تعمیر قائم ہے۔ اس مسئلہ کو یہاں پر چھیڑنا مناسب نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کو فی الحال جنم مرن کی پہیلی سے الگ ہی رکھنا ضروری ہے۔ امید ہے۔ کہ اب تم برھمانڈ کا مطلب سمجھ

گئے ہو گئے"۔

شاھم "اب میری سمجھ میں آگیا۔ کہ برھمانڈ کے کیا معنی ہیں۔ مگر آپ نے انسان اور نباتات کے انڈے کا ذکر کیا ہے۔ یہ کیا بات ہے؟ کیا انسان بھی انڈے دیتا ہے؟"

راھم "میں نے تم کو پہلے ہی کہ دیا ہے۔ کہ اس انڈے کے مسئلہ کو فی الحال مت چھیڑو۔ کیونکہ اس سے اصلی بات بیچ میں ہی رہ جائے گی۔ اتنا یاد رکھو۔ کہ انسان بھی انڈے سے ہی بنتا ہے۔ انسان کے انڈے اور حیوانات اور نباتات کے انڈے میں چنداں فرق نہیں ہوتا۔ اس بات پر پھر کبھی گفتگو کرینگے۔ یقین کرو۔ ہمارے زمین یا سورج یا چاند وغیرہ کے کرے انڈے کے ستھول شریر کی زندگی کے طبقے یا نک لیوس (nucleus) کی طرح اس برھمانڈ میں قائم ہیں۔ جس کو ہم سورج منڈل یا سولر سسٹم کہتے ہیں۔ وہ ایک نہیں۔ بلکہ بے شمار ہیں۔ وہ تمام سورج منڈل اپنے ساتھ تعلق رکھنے والے چاند۔ زمین اور بے شمار دیگر ستاروں کے اور اُن تمام کروں میں جو آبادی یا چیزیں ہیں۔ اُن سب کے ساتھ اس تمام برھمانڈ میں انڈے کے اس نقطے سے بڑھکر حقیقت نہیں رکھتے۔ جس کو کہ نک لیولس (nucleus) کہتے ہیں۔ غور کرو۔ اس تمام "سپت پردھی" کے مقابلے میں ہماری زمین کیا ہے۔ وشنو بھگوان پرماتما نے

"اتو۔ دیوا۔ او نتو۔ نو۔ یتو۔ وشنو۔ وچکرمے۔ پرتھویہ۔
سپت۔ دھاما۔ بھی"۔ رگوید پہلا منڈل $\frac{۲۲}{۱۶}$ ۲۔

اس "سپت دھام" ازنجات سبع سموات میں جہاں انیک روشن کُرے یا سورج منڈل بنائے ہیں۔ وہاں ایک ذرا سا نقطہ تاریک پرتھوی کا بھی لگا دیا ہے۔ اوّل تو اس سبع سموات یا "سپت دھام" برھمانڈ کے مقابلے میں بے شمار سورج منڈلوں کی مع اپنی زمینوں یا چاندوں یا دیگر انیک ستاروں کے ہی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ وہ سب کے سب

اپنے تمام مجموعے کے ساتھ اس "سپت پردھی" برھمانڈ عین انڈے کے نک لیولس یا نقطۂ زندگی سے بڑھکر نہیں ہیں۔ جہاں انیک سورج منڈلوں کی کوئی حقیقت نہ ہو۔ وہاں ہماری پرتھوی کی تو کیا ہی حقیقت ہوسکتی ہے۔ جب پرتھوی کی کوئی حقیقت نہیں رہتی۔ تو پھر ہماری تو کیا ہی حقیقت ہوسکتی ہے۔ یہ تمام سبع سمٰوات یا "سپت دھام" برھمانڈ جس کے مقابلے میں بے شمار سورج منڈل کوئی حقیقت نہیں رکھتے اُس خداوند قدوس کا ایک ذرا سا کرشمہ ہے۔ سوچو۔ پھر وہ خداوند قدوس خود کیا ہوگا۔ اور تم اُس برھمانڈ میں خود کیا ہو۔ اور تمہاری کیا حیثیت ہے"۔

شام "آپ کی اس بات کو سن کر تو میرا دل بہت ڈوبتا جاتا ہے۔ مجھے اپنی ہستی بالکل حقیر دکھائی دیتی ہے۔ میں تو سمجھتا تھا۔ کہ دنیا میں میں بھی کوئی چیز ہوں۔ لیکن آج معلوم ہوا۔ کہ میں اس برھمانڈ میں کوئی چیز ہی نہیں ہوں۔ کیا فائدہ ایسی حقیر زندگی سے"۔

رام "زندگی بے شک حقیر ہے۔ اور وہ اس لائق نہیں ہے۔ کہ اُس پر کسی قسم کا فخر کیا جائے۔ بلکہ سدا ہی اپنے آپ کو اس خداوند قدوس کے حضور میں سرنگوں رکھنے کی ضرورت ہے۔ اور جس قدر ہمارا گیان زیادہ بڑھیگا۔ اُسی قدر ہم کو اپنا آپ حقیر نظر آئیگا۔ یہاں تک کہ ہم اس سٹیج پر پہنچ جائینگے۔ جہاں پر کہ خداوند قدوس کی عظمت اپنے پورے جلال اور جمال کے ساتھ ہم پر ظاہر ہوگی۔ اور ہم بول اُٹھینگے۔ کہ جو کچھ ہے۔ تو ہی ہے۔ خیر ان باتوں کو جانے دیجئے۔ سوچو ہماری موجودہ زمین کی قسم کی بے شمار زمینیں اور سورج وغیرہ مل کر جو بے شمار سورج منڈل بناتے ہیں ان سب کے مجموعے کی حقیقت اس سبع سمٰوات یا "سپت دھام" برھمانڈ کے مقابلے میں کیا ہے"۔

شام "بے شک اس بات کا تو مجھے پتہ لگ گیا۔ لیکن آپ یہ بتلائیں۔ کہ ہمارا آتما ستھول شریر کو چھوڑ کر ان لوکوں میں کیسے رہتا ہے"؟

راہم۔ جلدی مت کیجئے۔ پہلے چند دیگر ابتدائی باتوں کو سمجھ لیجئے تم کو پہلے بتایا جا چکا ہے۔ کہ تمام گرہے تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو بذاتِ خود روشن ہیں۔ دوسرے وہ جو روشن گرہوں سے روشنی پاتے ہیں تیسرے وہ جو نہ خود روشن ہیں۔ اور نہ روشن گرہوں سے روشنی پاتے ہیں۔ بلکہ بالکل تاریک یا اسوریہ لوک ہیں۔ مگر جیسے انڈے کے سب سے آخری گرہے یا نک لیوس میں زندگی کا مرکز ہوتا ہے ویسے ہی یہ تمام روشن یا روشنی لینے والے یا تاریک گرہے اس برہمانڈ میں وہ دھاری جیووں کا واس ستھان ہیں۔ ان میں سے کوئی گرہ ایسا نہیں ہے۔ جو آباد نہ ہو۔ یہاں تک کہ جس زمین کی سطح پر ہم رہتے ہیں۔ اس کے اندر کے طبقات بھی آبادی سے معمور ہیں"۔

شاہم۔ یہ تو آپ نے بڑی گپ ہانک دی۔ کہ زمین کے اندر کے طبقات بھی آباد ہیں۔ زمین کے اندر تو آگ یا پگھلتا ہوا لاوا ہے۔ ایسے طبقات میں آبادی کا ہونا قطعی ناممکن ہے"۔

راہم۔ زمین کے اندر جہاں آگ ہے۔ وہاں پانی بھی ہے۔ اور جیو آگ اور پانی دونوں کی مار سے اوپر ہے۔ وہ آگ میں بھی رہتا ہے۔ اور پانی میں بھی رہتا ہے۔ خود ہمارے جسم کے اندر ہی کس قدر آگ موجود ہے مگر یہی آگ ہمارے جسم کے قیام کا باعث ہے۔ جیسے اس تمام برہمانڈ کو سبع سماوات یا "سپت دھام" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ویسے ہی ہر ایک گرہ انڈے کے مختلف گرہوں کی طرح اپنے اندر علیحدہ علیحدہ گرہے یا پردے رکھتا ہے۔ اور وہ سب کے سب آباد ہیں۔ ان گرہوں کے اندر جو دوسرے گرہے ہیں۔ وہ باہر کے سورج کی روشنی سے محروم ہونے کے باعث اسوریہ لوک کہلاتے ہیں۔ ویدوں میں ان گرہوں کا نام اسوریہ لوک آتا ہے۔ یہ بالکل تاریک گرہے ہیں۔ قرآن شریف میں ایسے ہی گرہوں کا نام جہنم ہے"۔

شاہم۔ اگر یہ بالکل تاریک ہیں۔ تو ان میں دن رات کا اندازہ کیسے لگتا ہے؟"

راھم :- دن اور رات محض دو نسبتی الفاظ ہیں جس کو ہم وقت کہتے ہیں۔ وہ بھی ہماری اپنی ہی گھڑنت ہے۔ اور وہ گھڑنت اُسی وقت تک چلتی رہنے۔ جب تک کہ ہم جسم میں قید ہیں۔ اور جس قدر زیادہ ستھول جسم میں ہم قید ہیں۔ اسی قدر ہمارا وقت بھی بڑا بھدا اور چھکڑے کی مانند ہوتا ہے۔ لیکن جس قدر زیادہ ہم سوکشم شریروں میں نواس کرتے ہیں۔ اسی قدر وقت بھی ہمارے لئے سوکشم ہوتا جاتا ہے"۔

شاھم :- "یہ بات تو میری سمجھ میں نہیں آئی۔ کہ وقت کیونکر ستھول اور سوکشم ہو سکتا ہے"؟

راھم :- "میں نے تم سے کہا ہے۔ کہ وقت ہماری اپنی گھڑنت ہے۔ اور یہ گھڑنت ہمارے جسم یا ارد گرد کے سامانوں کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ اگر تم اپنے آپ کو لاہور سے پیدل چل کر کلکتے پہنچانا چاہو۔ تو شاید ایک مہینہ لگ جائے۔ لیکن معمولی گاڑی کے ذریعے پہنچانا چاہو۔ تو پندرہ بیس دن لگ جائینگے۔ اگر معمولی ریل کے ذریعے لے جانا چاہو تو پانچ چھ دن لگ جائینگے۔ اگر ڈاک گاڑی کے ذریعے لے جانا چاہو۔ تو دو تین دن لگیں گے۔ اگر اس سے بھی زیادہ تیز ہوائی جہاز کے ذریعے لے جانا چاہو۔ تو ایک ہی دن میں پہنچ جاؤ گے۔ لیکن اگر ہوا سے بھی زیادہ تیز من کے ذریعے تم کلکتے پہنچنا چاہو تو سیکنڈ سے بھی کم عرصے میں تم کلکتے پہنچ سکتے اور واپس آ سکتے ہو۔ فاصلہ وہی ہے۔ لیکن لے جانے والی طاقت کے ستھول سے ستھول یا سوکشم سے سوکشم ہونے کی وجہ سے وقت میں فرق پڑ گیا۔ آتما جو دماغ سے بھی زیادہ سوکشم ہے۔ سوچو۔ جب وہ ان کثیف بندھنوں سے آزاد ہو جاتا ہوگا۔ تو وقت اُس کے سامنے کیا حقیقت رکھتا ہوگا۔ اسی لئے تو پرماتما کو جو نرا کار اور جو آتما کا بھی آتما ہے۔ کال رہت یا وقت سے اوپر بتایا گیا ہے۔ آتما جس قدر ستھول یا سوکشم شریروں سے آزاد ہوتا جاتا ہے۔ اسی قدر وقت کی قیود سے بھی آزاد ہوتا جاتا ہے"۔

شاھم :- تو کیا سوکشم شریر یا کارن شریر میں رہتا ہوا آتما ہماری طرح

دن رات کا پابند نہیں رہتا"۔

رام "ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ ہمارے دن اور ہماری رات سے آزاد ہو جاتا ہے"۔

شام "یہ تو بڑی عجیب بات ہے"۔

رام "عجیب بات نہیں۔ بلکہ ایک ستیہ ہے۔ رگوید میں کئی منتر من کی اوستھا کے بارے میں آئے ہیں۔ ایک منتر ہمیں بتاتا ہے۔ کہ "یجاگرتو۔ دورمو۔ دوئیتی۔ دَیوم۔ تدو۔ سُپتسیہ۔ تھتئی۔ وَیتی۔ دورنگم" من خواب کی حالت میں بھی ویسے ہی دور دور کا چکر لگاتا رہتا ہے۔ جیسے کہ وہ بیداری کی حالت میں لگاتا ہے۔ گویا رات یا خواب کا تعلق جسم سے ہوتا ہے۔ من تو سوتے جاگتے برابر اپنے سیر سپاٹے میں لگا رہتا ہے۔ آتما جو من سے بھی زیادہ لطیف ہے۔ اس کے لئے رات اور دن کی قید کوئی معنے نہیں رکھتی۔ اور پھر جس کو تم رات دن کہتے ہو۔ اس کی حالت بھی بڑی وچتر ہے۔ تمہاری زمین کا جب آدھا حصّہ سورج کے سامنے آتا ہے۔ تو تم کہتے ہو۔ دن ہو گیا۔ دوسرے آدھے حصّے کو تم رات کہتے ہو۔ ایسے ۳۶۵ پلٹوں کا نام تم ایک سال رکھتے ہو۔ کیا تمہارا یہ خیال ہے۔ کہ برھمانڈ میں سب جگہ تمہاری زمین جیسے ہی دن اور تمہارے سال جیسے ہی سال ہوتے ہیں"۔

شام "ہاں ہمارا خیال تو یہی ہے۔ کہ سب جگہ یہی حالت ہونی ہے"۔

رام "لیکن یہ غلط ہے۔ تمہاری زمین ۳۶۵ دن میں سورج کے گرد چکر ختم کرتی ہے۔ اس سے تمہارا ایک سال بنتا ہے۔ لیکن عطارد سیارہ ۸۸ دن کے اندر ہی سورج کے گرد چکر لگا جاتا ہے۔ تو گویا عطارد میں ۸۸ دن کا سال ہوا۔ اسی طرح زہرہ سیارہ ۲۲۵ دن میں سورج کے گرد چکر لگاتا ہے۔ لیکن مریخ ۶۸۷ دن میں چکر لگاتا ہے۔ اور مشتری سیارہ ۴۳۳۲ دن میں سورج کے ارد گرد اپنا چکر ختم کرتا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر زحل سیارہ ۱۰۷۵۹ دن میں اپنا چکر لگاتا ہے۔ مگر یورینیس سیارہ

۸۷ء۳۰۶ دن میں سورج کے گرد چکر ختم کرتا ہے۔ گویا یورنیس کا ایک سال ۳۰ ہزار ۶ سو ۸۷ دن کا ہوًا۔ یا یوں سمجھو۔ کہ یورنیس سیارے کا ایک سال ہماری زمین کے ۸۴ سال کے برابر ہوًا۔ اگر ہماری زمین کا ۸۴ سال کا بوڑھا یورنیس میں جائے۔ تو یورنیس میں ہمارے ۸۴ سال کے بوڑھے کو ایک سال کا بچہ تصور کیا جائیگا۔ اسی سے تم سمجھ لو۔ کہ عام معنوں میں جس کو وقت کہا جاتا ہے۔ وہ کیا چیز ہے"۔

شام۔"آپ کی ایسی وچتر باتوں سے تو جیسے جنم مرن محض نسبتی الفاظ معلوم ہوتے ہیں۔ ویسے ہی رات دن یا وقت بھی نسبتی الفاظ ہی ہیں"۔

رام۔"یہ سب کچھ نسبتی باتیں ہی ہیں۔ ورنہ حقیقت میں نہ جنم ہے۔ نہ مرن۔ نہ دن ہے۔ نہ رات۔ آتما جس قدر ستھول اجسام میں آتا جاتا ہے۔ اسی قدر اس کے لئے یہ سب بندھن ہیں۔ جس قدر ستھول اجسام سے دور ہوتا جاتا ہے۔ اسی قدر وہ ان بندھنوں سے اوپر ہوتا جاتا ہے۔ اس کے لئے نہ وقت رہتا ہے۔ نہ فاصلہ۔ بلکہ وہ ٹائم اور سپیس دونوں سے اوپر ہوتا جاتا ہے"۔

شام۔"یہ تو مان لیا۔ کہ وہ وقت سے اوپر ہو جاتا ہے۔ لیکن فاصلے سے کیونکر اوپر ہوتا جاتا ہے"۔

رام۔"فاصلہ یا دور و نزدیک بھی نسبتی الفاظ ہی ہیں۔ جیسے ستھول شریر سے الگ ہم وقت کو اڑا سکتے ہیں۔ اسی طرح ستھول شریر کے ساتھ فاصلہ بڑھتا اور سوکشم یا کارن شریروں کے ساتھ فاصلہ اُڑتا چلا جاتا ہے۔ ستھول جسم کے لئے لاہور اور کلکتہ کا جو فاصلہ ہے۔ وہ سوکشم شریر کے سامنے اُڑ جاتا ہے۔ جب من کے لئے وہ فاصلہ فاصلہ ہوتے ہوئے بھی فاصلہ نہیں رہتا۔ تو آتما کے سوکشم یا کارن شریر کے سامنے فاصلہ فاصلہ ہوتے ہوئے بھی فاصلہ نہیں رہتا"۔

شام۔"یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ کہ فاصلہ کیونکر اُڑ جاتا

جاتا ہے۔"

رام "جس قدر ستھولتا اڑتی جاتی ہے۔ اسی قدر فاصلہ بھی اڑتا جاتا ہے۔ توپ کا گولہ ستھول ہے۔ مگر توپ سے گولہ کی رفتار زیادہ ہے۔ اور گولہ سے روشنی کی رفتار زیادہ ہے۔ دو میل کے فاصلے پر جو توپ داغی جاتی ہے۔ اس کا شعلہ سیکنڈ یا سیکنڈ کے کسی حصے میں دو میل کے فاصلے پر نظر آجائیگا۔ لیکن گولہ اس سے زیادہ دیر بعد پہنچے گا۔ مگر توپ جو روشنی اور گولہ دونو سے بھاری ہے۔ وہ دونوں کے بہت دیر بعد دو میل کے فاصلے پر پہنچیگی۔ اسی طرح جس قدر ہمارے جسم ستھول ہیں۔ اسی قدر ہمارے لئے فاصلے کا سوال ہے۔ لیکن جس قدر جیو آتما سوکشم بلکہ کارن یا تریہ شریروں میں جاتا ہے۔ اسی قدر اس کے سامنے سے فاصلے کا سوال اڑ جاتا ہے۔ کیونکہ وہ ہوا۔ آگ۔ بجلی وغیرہ سب سے زیادہ سوکشم ہے۔"

شام "اب میں سمجھ گیا۔"

رام "ایک بات اور سمجھ لو۔ اس کے بعد جنم مرن کی پہیلی کو تم بہت آسانی سے سمجھ سکو گے۔"

شام "وہ کیا؟"

رام۔ یہ ضروری نہیں۔ کہ جیو آتما کا ہر ایک شریر اس ستھول شریر کی طرح اگنی۔ وایو۔ جل۔ پرتھوی آدی کے پرمانوؤں کو لیتا ہوا اناج وغیرہ کی مدد سے ہی بنتا اور بڑھتا ہو۔ بلکہ جب اس میں سے پرتھوی تتو خارج ہو جاتا ہے۔ تو وہ کیول۔ اگنی۔ وایو اور جل کے سموہ سے شریر بناتا ہے۔ جب جل تتو بھی خارج ہو جاتا ہے تو وہ اگنی اور وایو سے شریر حاصل کرتا ہے۔ جب اگنی تتو بھی چھوڑ دیتا ہے۔ تو وہ وایو کا ہی شریر دھارن کرتا ہے۔ جب وایو تتو کا بھی تیاگ کر دیتا ہے۔ تو وہ سوتنتر آتما یا بجلی کے تتو کا نہایت ہی سوکشم شریر دھارن کرتا ہے۔ اسی طرح جو جو تتو اس کے جس جس شریر میں سے خارج ہوتے جاتے ہیں۔ یا اُس کا جن جن

تتووں سے بنا ہؤا جو جو شریر ناش ہوتا جاتا ہے۔ وہ اُن اُن سے ادھک سوکشم تتووں سے اپنا شریر بناتا جاتا ہے۔ اور جس شریر میں وہ تتو ادھک ہوتا ہے۔ وہ شریر اُسی تتو میں زندگی پاتا اور زندہ رہتا ہے۔"

شام: "یہ بات تو بہت آسانی سے میری سمجھ میں آگئی۔"

رام: "اگر تم یہ بات سمجھ گئے ہو۔ تو پھر اب تم کو اس بات کے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہو سکتی۔ کہ سورج کے جلتے ہوئے کرے میں بھی جیو آباد ہیں۔ چاند کے سرد کرے میں بھی آبادی ہے۔ "سپت پردھی" یا "سپت دھام" یا سبع سموات کے ساتوں طبقات آبادی سے معمور ہیں۔ ان میں بعض سموات میں جیو۔ اگنی۔ وایو۔ جل۔ پرتھوی آدی کے تتووں کا مجموعہ بطور اپنے اجسام کے رکھتے ہیں۔ بعض میں اُن کا جسم محض اگنی کا ہی ہوتا ہے۔ بعض میں محض وایو کا۔ بعض میں محض جل کا۔ بعض میں سوتر آتما یا بجلی کا۔ الغرض اس سبع سموات میں کوئی تتو ایسا نہیں ہے۔ جو آباد اور معمور نہ ہو۔ اور جس کو جیو اپنے جسم کے لئے استعمال نہ کرتا ہو۔"

شام: "آپ کا یہ کہنا کہ بعض دھاموں میں جیو محض اگنی یا بعض میں محض وایو وغیرہ کا ہی جسم رکھتا ہے۔ یہ ایک معمولی سی بات ہے۔"

رام: "میں نے یہ کب کہا ہے۔ کہ یہ کوئی غیر معمولی بات ہے۔ میرا مقصد تو اس سے یہ ثابت کرنا ہے۔ کہ ان معمولی سدھانتوں کو چھوڑ کر جو لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ انسان کی روح موجودہ جسم سے قطع تعلق کرکے یا تو دوبارہ انسانی جسم میں آتی ہے۔ یا وہ کسی کتے۔ بلی۔ سوئر۔ بندر۔ ریچھ۔ گدھے۔ گھوڑے یا ساگ پات کی جون میں چلی جاتی ہے۔ یہ ایک سخت لغو وہم ہے۔ ایسے توہمات سے بچنا چاہئے۔"

شام۔ بے شک اواگون کا وہم تو میرے نزدیک بھی نہایت نامعقول وہم ہے۔

رام۔ ہم کو دیکھنا چاہئے۔ کہ آیا یہ خیال ہمارے دل کو زیادہ تسلی

دے سکتا ہے۔ کہ اس جسم سے الگ ہو کر ہم یا ہمارے ماں باپ۔ عزیزو اقارب کتے۔ بلی۔ سوئر۔ بندر۔ گھوڑے۔ گدھے۔ سانپ۔ بچھو۔ آلو۔ کچالو مولی۔ شلغم بن جاتے ہیں۔ اور وہ ہمارے ہنٹروں کا شکار ہوتے یا ہمارے باورچی خانوں میں بھونے جاکر ہماری کھانے کی میزوں کو زینت دیتے ہیں۔ یا اس نہایت ہی لغو اور نامعقول خیال کی نسبت یہ مسئلہ بلکہ حقیقت ہمارے دل کو زیادہ راحت دینے والی ہے۔ کہ ہم اور ہمارے ماں باپ۔ عزیز و اقارب موجودہ جسم سے الگ ہو کر ایک بہتر جسم کے وارث بنتے اور اسی طرح زندہ و قائم رہتے ہیں۔ جس طرح کہ وہ اس جسم میں زندہ تھے۔ اور کہ وہ ہم سے ہمیشہ کے لئے الگ نہیں ہو جاتے۔ بلکہ ایک لطیف جسم کے ساتھ موجود رہتے ہیں۔ جو کہ موت کی گھاٹی کو عبور کر کے اُن کو ملتا ہے۔ اور کہ ہم بھی جب اس موت کی گھاٹی کو عبور کرینگے۔ تو ہم اپنے ایسے تمام عزیزو اقارب اور خداوند قدوس کے مقدسین اور روحانیوں کے دیدار سے بہرہ اندوز ہونگے۔ اور کہ ہمارے اور ان قدسیوں اور روحانیوں کے درمیان جو اس وقت جدائی کا پردہ حائل ہے۔ وہ نہایت ہی تھوڑی دیر کے لئے ہے۔ پیارے شام سوچو! روح اور روحانیوں کے بارے میں یہ تعلیم کس قدر شانتی دینے والی ہے۔ اس سے صرف یہی نہیں۔ کہ موت ہمارے لئے موت نہیں رہتی۔ بلکہ ہم جو اپنے عزیز و اقارب یا اُن قدسیوں اور روحانیوں کی یاد میں تڑپتے رہتے ہیں۔ جن کے نام ہمارے لئے مبارک ہیں۔ اس انکشاف کے بعد ہماری وہ تمام تڑپ بھی یک لخت دور ہو جاتی ہے۔ جبکہ ہم یہ جانتے ہیں۔ کہ وہ ہم سے ایک قدم آگے موجود ہیں۔ اور کہ ہم اُن سے جلدی ہی جا ملینگے"۔

شام "یقیناً روح کی آئندہ زندگی کے بارے میں یہ تعلیم نہایت ہی مبارک اور شانتی دینے والی ہے۔ اور اس کے مقابلے میں "آواگون" کا وہم نہایت ہی نفرت کی چیز معلوم ہوتا ہے"۔

رام "تم سچ کہتے ہو۔ آواگون کا وہم جیسا کہ پیچھے ثابت کیا جا چکا ہے۔ نہایت ہی نفرت کی چیز ہے۔ تم سوچو! میں سوامی دیانند جی کی عزت کرتا

ہوں۔ میری بڑی آرزو ہے۔ کہ میں موجودہ جسم سے الگ ہوکر اُن سے ملوں۔ لیکن اگر "اواگون" کو درست مان لیا جاوے۔ تو میں سوامی دیانند سے کبھی بھی نہیں مل سکتا۔ اس لئے کہ وہ بھنگ پیتا تھا۔ اور اواگون کا معتقد منو بتاتا ہے۔ کہ بھنگ پینے والا برہمن کیڑے مکوڑوں اور غلاظت خور جانوروں کی جون میں جاتا ہے۔ کیا تمہارا دل اس بات کو تسلیم کر سکتا ہے کہ سوامی دیانند جیسا وید و شاستر کا عالم آج بھنگ پینے کی سزا میں کسی کیڑے مکوڑے یا غلاظت خور جانور کی جون میں پڑا ہوا ہوگا"؟

شام "میں ہرگز اس بات کو نہیں مان سکتا۔ کہ سوامی دیانند بھنگ پینے کے جرم میں کسی کیڑے مکوڑے کی جون میں چلا گیا ہوگا۔ میرے نزدیک جس طرح اواگون ایک جھوٹا مسئلہ ہے۔ اسی طرح اس قسم کے جس قدر شلوک ہیں۔ وہ بھی سب کے سب فضول ہیں"۔

رام "مگر "اواگون" کے معتقد اس بات کو بھی مانتے ہیں۔ کہ گناہ خواہ کسی وقت کیا جاوے۔ اور خواہ کتنا ہی تھوڑا کیوں نہ ہو۔ پرماتما اس کی سزا ضرور دیتا ہے۔ تو کیا سوامی دیانند نے جو گناہ کیا۔ اس کی اس کو سزا نہیں ملے گی"؟

شام "سزا تو ضرور ملنی چاہیئے"۔

رام "جب تم "اواگون" کو بھی نہیں مانتے ہو۔ تو پھر تمہارے نزدیک گناہ کی سزا کس شکل میں دی جا سکتی ہے"؟

شام "اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا"۔

رام "کیا تم سمجھتے ہو۔ کہ اگر ایک بچہ نادانی سے اپنے کپڑوں کو مٹی مل لے۔ تو اُس کی ماں یہ کوشش کریگی۔ کہ اُس کے میلے کپڑوں کو اُتار کر اُس کو اُجلے کپڑے پہنا دے یا وہ اپنے بچے کو کتے۔ بلّی یا بندر اور سور کی جون میں تبدیل کرنے کی کوشش کریگی"؟

شام "کوئی مہربان ماں اپنے بچے کو خواہ وہ کتنا ہی خراب اور شریر ہو۔ ایک سوئر یا بندر کی شکل میں تبدیل کرنا گوارا نہیں کریگی۔ اس لئے کہ وہ

بچہ کی خیر خواہ ہے۔ نہ کہ سنگدل اور منتقم مزاج۔ بلکہ وہ ذہین بچے کے میلے کپڑوں کو اُتار کر زیادہ سفید اور اجلے کپڑے پہنا دیگی“۔

راھم ”جب ایک انسانی ماں اپنے بچے کو بہتر سے بہتر شکل میں دیکھنے کی خواہش مند ہے۔ تو کیا تم سمجھتے ہو۔ کہ خداوند قدوس ایک انسانی ماں سے بھی گیا گزرا وجود ہے۔ جو کہ کسی انسان کے ایک کپڑے کے میلا ہو جانے پر جس سے کہ مراد اُس کے جسم سے ہے۔ وہ اس کو اس کپڑے یا جسم سے بہتر اور اُجلا کپڑا یا جسم دینے کی بجائے اُس کو سؤر۔ کتے۔ بندر۔ سانپ اور بھیڑئے کا جسم دیگا“۔

شاھم ”یہ بالکل لغو خیال ہے“۔

راھم ”جب یہ لغو خیال ہے۔ تو تم سوچو۔ کہ خداوند قدوس نے بھنگ نوشی کا گناہ کرنے والے انسان کو کیا سزا دی ہوگی۔ کیا اُس نے اُس کو اس کپڑے سے جس کو کہ اُس نے بھنگ نوشی سے خراب کر دیا تھا کوئی بہتر کپڑا یا جسم دیا ہوگا۔ یا بدتر؟“

شاھم ”ایک مہربان ماں کی طرح خداوند قدوس نے اس کو یقیناً ایک بہتر کپڑے یا جسم سے ملبوس کیا ہوگا“۔

راھم ”تم ٹھیک کہتے ہو۔ یقیناً سوامی دیانند ایک بہتر مگر لطیف تر لباس یا جسم رکھتا ہے۔ اور وہ کسی کیڑے مکوڑے کی جون میں نہیں گیا۔ گو اُس نے بھنگ پی تھی“۔

شاھم ”کیا ہم سوامی دیانند سے مل سکتے ہیں؟“

راھم ”کیوں نہیں۔ ہم اس سے ملینگے اور ضرور ملینگے۔ نہ صرف اس سے بلکہ اُن تمام روحانیوں اور قدسیوں سے بھی ہماری ملاقات ہوگی۔ جن کا نام ہمارے لئے برکت کی چیز ہے“۔

شاھم ”روح کی آئندہ زندگی کے بارے میں یہ تعلیم ہے تو بڑی شانتی دینے والی۔ مگر میرے دل میں کچھ شکوک پیدا ہو رہے ہیں۔ اگر اجازت ہو۔ تو بیان کروں“۔

ساتویں فصل

موت کی گھاٹی سے دوسری طرف
کی
بابت وید اور قرآن مجید کی تعلیم
اور
مغربی دنیا کے تجربات ومشاہدات

رام "تم نے کہا ہے۔ کہ تمہارے دل میں میری باتوں کو سن کر کچھ شکوک پیدا ہو گئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ تم اُن کو کھلے الفاظ میں بیان کرو"۔

شام "میرا پہلا شک تو یہ ہے۔ کہ آپ جو کچھ بتا رہے ہیں۔ وہ اگرچہ نہایت ہی شانتی دینے والی تعلیم ہے۔ مگر چونکہ وہ وید ورودھ ہے۔ اس لئے ماننے کے لائق نہیں ہے"۔

رام "پیارے شام! میرا خیال تھا۔ کہ تم کوئی سنجیدہ شک پیش کرو گے۔ لیکن تم ابھی تک ویدانوکول اور وید پرتی کول کے جھگڑے ہیں ہی پھنس رہے ہو۔ حالانکہ تم اس بات کو بھی مان چکے ہو۔ کہ ویدوں میں جو اواگون کی تعلیم ہے۔ وہ نہایت ہی نامعقول ہے۔ تمہاری حالت دیکھکر مجھے کُنتی پتر ارجن کی حالت یاد آجاتی ہے۔ جو کہ میدان جنگ میں کھڑا مختلف

شک و شبہات کا شکار ہو رہا تھا۔ اور سری کرشن جی مہاراج اُس کو یہ اُپدیش کر رہے تھے:۔

شرُتی۔ بپرتی پنّا۔ تے۔ یدا۔ ستھا سیتی۔ نشچلا۔ سمادھوو۔
اچلا۔ بُدّھس۔ تدا یوگم۔ اوا پسیہ سی " (گیتا $\frac{2}{53}$)

"اے ارجن ویدوں نے تیری عقل مار دی ہے۔ جب کامل غور و خوض کے بعد تیری عقل ٹھکانے آئیگی۔ تب ہی تو یوگ ودیا کو سمجھ سکیگا" پیارے شام! یہی حال تمہارا ہے :۔

شام "میں ویدوں کا نام اس لئے لیتا ہوں۔ کیونکہ اُن میں آتما اور پرماتما کے متعلق ست ودیا بھری پڑی ہے"۔

رام "ویدوں میں آتما کے متعلق جو ست ودیا بھری پڑی ہے۔ اس کا اندازہ تم نے اواگون کی تعلیم سے لگا لیا ہے۔ اب رہا پرماتما کے متعلق ست ودیا کا تمہارا خیال۔ اس کا دو ٹک جواب برھم ودیا کے پستک مُنڈک اُپنشد میں دیا گیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے :۔

"ودیا دو قسم کی ہوتی ہے۔ اپرا یعنی سفلی۔ اور پرا یعنی علوی۔ رگوید۔ یجروید۔ سام وید۔ اتھروید۔ شکچھا۔ کلپ۔ ویاکرن۔ نروکت۔ چھند۔ جیوتش یہ تمام اپرا ودیا یا علوم سفلی کی کتابیں ہیں۔ اور برھم کے جاننے کے لئے پرا ودیا یا علوم علوی یا برھم ودیا کی ضرورت ہے"۔

پیارے شام! جو نرپکش رشی منی ہو گزرے ہیں۔ انہوں نے چاروں ویدوں کو علوم سفلی یا دنیا کے ٹنٹوں جھگڑوں کی کتابیں بتایا ہے۔ اگر ان میں برھم ودیا یا آتما اور پرماتما کا گیان ہوتا۔ تو رشی منی اُن کو اپرا ودیا یا علوم سفلی کی کتابیں نہ لکھتے۔ مہابھارت شانتی پرب میں لکھا ہے :۔

"کسی کا یہ خیال ہے۔ کہ وید دھرم پستک ہے۔ کسی کا خیال ہے کہ وہ دھرم پستک نہیں ہے۔ ہم وید کی نندا نہیں کرتے۔ مگر اتنا ضرور ہے۔ کہ تمام وید دھرم پستک نہیں ہیں۔ شرتیوں (ویدوں) کا آپس میں جھگڑا ہے۔ اسی طرح سمرتیوں میں اختلاف

ہے۔ دھرم کی حقیقت کو سمجھنا نہایت ہی مشکل امر ہے۔ نیک لوگ جس راستے پر چلیں اسی پر چلنا چاہیئے"۔

اسی طرح یوگ وششٹ کے مموکش ویوہار پرکرن میں ویدوں کو بھرانتی پودن کتاب بنایا گیا ہے۔ گیان سکلنی تنتر میں لکھا ہے:-

"متھت۔ توا۔ چترو۔ ویدان۔ سرو۔ شاستراني۔"
"چیو۔ ہی۔ سارنتو۔ یوگی۔ بھی۔ پتیم"
"تکرم۔ پی۔ ونتی۔ پنڈتا۔"

"یوگی یا عارفانِ الٰہی چاروں ویدوں اور تمام شاستروں کو بلو کر مکھن نکال کر کھا جاتے ہیں۔ اور جو باقی چھاچھ رہ جاتی ہے۔ اُس پر پنڈت لوگ منہ مارتے ہیں"۔

گیان سکلنی تنتر کے مطلب کو ایک صوفی نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے:-

ما ز قرآں مغز را بر داشتیم
استخواں پیشِ سگاں انداختیم

پیارے شام! اب تم اپنے لئے فیصلہ کرو۔ کہ تم مکھن کے طالب ہو۔ یا چھاچھ کے۔ تم اصلیت کے خواہشمند ہو یا ہڈیوں پر لڑنا چاہتے ہو"۔

شام "میں چھاچھ یا ہڈیوں پر لڑنا نہیں چاہتا"۔

رام "پھر تم نے یہ کیوں کہا تھا۔ کہ میں تم سے جو کچھ کہ رہا ہوں۔ وہ وید وِرودھ ہونے کے کارن ماننے کے لائق نہیں"۔

شام "یہ میری مورکھتا تھی"۔

رام "پیارے شام! میں تم کو شوجی کا وچن سنانا چاہتا ہوں۔ شوجی پاربتی سے کہتے ہیں:-

"یتھا۔ امرتین۔ ترپت۔ اسیہ۔ نہ۔ آہارین۔ پریوجنم"
"تتوگیا سیہ۔ جہیشانی۔ نہ۔ شاسترین۔ پریوجنم"

"جس طرح امرت یا آبِ حیات سے ترپت ہوئے ہوئے پرش کو دوسرے کسی قسم کے کھانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اسی طرح اے پاربتی!

تنتو گیانی یا عارفانِ حقیقت کے لئے شاستروں کی کوئی ضرورت نہیں رہتی"۔

اُتر گیتا میں اسی مطلب کو کسی قدر تبدیلی کے ساتھ یوں کہا گیا ہے:۔

"یتھا۔ امرتین۔ ترپت۔ اسیہ۔ پیہسا۔ کم۔ پریو جنم"

"ایوم۔ تنت۔ پرمم گیا تنوا۔ ویدے۔ ناستی۔ پریو جنم"

"جس کو امرت یا آبِ حیات مل گیا۔ اس کو پانی کی کیا ضرورت ہے اسی طرح جس نے پرماتما کو جان لیا۔ اس کے لئے وید بے معنی چیز ہے"۔

پیارے شام! میں خیال کرتا ہوں۔ کہ میں نے تمہارے شک کو رفع کرنے میں مدد دی ہے۔

شام "بے شک میرا یہ شک کہ آپ کی تعلیم وید ورودھ ہونے کے باعث ماننے کے لائق نہیں ہے۔ بالکل رفع ہو گیا ہے۔ میں اب حق و حقانیت کا ہی طالب بنونگا"۔

رام "حق و حقانیت کے متلاشیوں اور عارفانِ الٰہی کے بارے میں اُتر گیتا میں لکھا ہے:۔

"گرنتھم۔ ابھیسیہ۔ میدھاوی۔ گیان۔ وگیان۔ تنت پرا"

"پلالم۔ ایو۔ دھان آرتھی۔ تیجیہت۔ گرنتھم۔ شیش تا"

"عارفانِ الٰہی علم و معرفت اور حق و حقانیت کی تلاش کے لئے مختلف کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ جب وہ حق و حقانیت اور علم و معرفت کو پا لیتے ہیں۔ تب وہ کتابوں کے باقی ماندہ فضول جھگڑوں کو اس طرح ترک کر دیتے ہیں۔ جس طرح چاول نکال لینے کے بعد دھان کا بھوسہ پھینک دیا جاتا ہے"۔

پیارے شام! تم دھان کے بھوسے کو منہ میں ڈالنے کی کوشش مت کرو۔ بلکہ چاول نکالنے کی کوشش کرو۔ ویدوں میں جو "سپت دھام" کی تعلیم ہے۔ وہ میں نے تم کو بتا دی۔ اور تم نے اس کو مان لیا۔ اب جو بات ویدوں میں نہیں ملتی۔ اُس کو دوسری جگہ تلاش کرو۔ روح جسم سے الگ ہو کر اپنی شخصیت

کے ساتھ کیونکر زندہ رہتی ہے۔ اس کے متعلق تم کو قرآن مجید سے اور یورپ اور امریکہ کے ریشنلسٹ اور سپر چوئلسٹ اصحاب کے تجربات اور مشاہدات سے پتہ لگ سکیگا"۔

شام"۔ مگر قرآن مجید تو مسلمانوں کی کتاب ہے۔ میں اس کا مطالعہ ہرگز نہیں کرونگا"۔

رام"۔ میں تم سے کب کہتا ہوں۔ کہ تم مسلمانوں کی کتاب کا مطالعہ کرو۔ میں تو تم سے یہ کہتا ہوں۔ کہ حق وحقانیت کا مطالعہ کرو"۔

شام"۔ مگر کیا قرآن مجید میں بھی حق وحقانیت ہے"۔

رام"۔ روح کے جسم سے الگ ہو کر اپنی شخصیت کے ساتھ قائم رہنے کی بابت جو تعلیم قرآن مجید نے دی ہے۔ وہ وید جیسی اواگون کی کتاب میں نہیں ملتی"۔

شام"۔ مگر آپ یہ بات بطور ایک ریشنلسٹ کے کہہ رہے ہیں۔ یا اپنے کسی پیدائشی تعصب کی بنا پر ایسے کہتے ہیں"۔

رام"۔ شام تمہارا میری نسبت کسی پیدائشی یا نسلی تعصب کا خیال کرنا تمہارا سخت ہندوپن ہے۔ تم اچھی طرح جانتے ہو۔ کہ جس روشنی میں پیدائشی اور نسلی تعصب سے چکنا چور ہوئے ہوئے ملاں لوگ قرآن مجید کو پیش کرتے ہیں۔ میں اس کی دھجیاں اڑا چکا ہوں۔ نسلی اور پیدائشی تعصبات کے جس مُلّاں اِزم کے درخت کو آنریبل سر سید احمد خاں صاحب مرحوم نے چاقو سے تراشنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے اُس کو کلہاڑے سے کاٹ ڈالا اس پر بھی اگر تم مجھ پر پیدائشی یا نسلی تعصب کا شبہ کرو۔ تو میں سمجھونگا۔ تم کافر ہو۔ اور تم حق پرست نہیں ہو۔ بلکہ دیانندی ہو"۔

شام۔ میں نہ دیانندی ہوں۔ نہ باطل پرست۔ بلکہ میں ایک ریشنلسٹ ہوں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ میں نے باوجود ہندو نژاد ہونے کے اواگون جیسی باطل پرستی کو ترک کر دیا ہے۔ اگر قرآن مجید ریشنلزم کی تعلیم دیتا ہے۔ اور وہ یہ نہیں کہتا کہ جسم سے الگ ہو کر روح کسی جانور یا گھاس پات کے قالب

میں چلی جاتی ہے - یا جسم کے ساتھ ہی فنا ہو جاتی ہے - بلکہ وہ یہ کہتا ہو - کہ انسان کی روح جسم سے الگ ہو کر اپنی شخصیت کے ساتھ قائم رہتی ہے - تو مجھے قرآن مجید کی ایسی تعلیم کو ماننے میں کوئی عذر نہیں ہوگا "۔

رام "قرآن مجید میں آواگون جیسی باطل پرستی اور روح کے جسم کے ساتھ ہی فنا ہو جانے کی دہریت کے جا بجا ایسے پرخچے اڑائے گئے ہیں - کہ باید و شاید - اور پھر لطف یہ کہ روح کی آئندہ زندگی کے بارے میں جس قسم کی تعلیم قرآن مجید چھٹی صدی مسیحی سے دیتا چلا آرہا ہے - آج یورپ اور امریکہ کے بیسویں صدی کے سپرچوئلسٹ اور ریشنلسٹ اپنے آزادانہ تجربات و مشاہدات سے اُس کی تصدیق کر رہے ہیں "۔

شام "میں بڑے شوق سے قرآن مجید کی ایسی تعلیم اور اس کے ساتھ ہی یورپ اور امریکہ کے عالموں کے تجربات و مشاہدات کا حال سننا چاہتا ہوں "

رام "آیا روح جسم سے الگ ہو کر کتے - بلی - سوئر یا بندر کی جون میں چلی جاتی ہے - یا وہ جسم کے ساتھ ہی فنا ہو جاتی ہے - یا اپنی انسانی شخصیت کے ساتھ برابر قائم و دائم رہتی ہے - اس کے متعلق قرآن مجید فیصلہ دیتا ہے :-

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات - بل احیاءٌ - ولٰکن لّا تشعرون - (پ ۲ - ع ۱۹) ۔

"تم اُن لوگوں کو جو خداوند قدوس کی راہ میں فنا ہو چکے ہیں - مردہ مت کہو - بلکہ وہ تو زندہ موجود ہیں - لیکن تم اس بات کی حقیقت سے بے خبر ہو "

ولا تحسبنّ الّذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً ط بل احیاءٌ عند ربّھم یرزقون - (پ ۴ - ع ۱۷) ۔

"تم اُن لوگوں کو جو فنا فی سبیل اللہ ہو گئے ہیں - مُردہ مت تصور کرو - بلکہ وہ تو زندہ موجود ہیں - اور خداوند قدوس کے ہاں زندگی کی خوراک پاتے ہیں "

" وقالوا ءاذا کنّا عظاماً وّرفاتاً ءَ انّا لمبعوثون خلقاً جدیداً - قل

کونوا حجارۃً اوحدیداً او خلقاً مما یکبر فی صدورکم۔ فسیقولون من یعیدنا۔ قل الذی فطرکم اول مرۃٍ۔ فسینغضون الیک رءوسہم ویقولون متیٰ ہو۔ قل عسےٰ ان یکون قریباً یوم یدعوکم فتستجیبون بحمدہٖ وتظنون ان لبثتم الا قلیلا۔ (پ ۱۵- ع ۵)۔

"وہ لوگ جو روح کو ایک کیمیائی فعل کا نتیجہ مانتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں۔ کہ روح جسم کے ساتھ ہی فنا ہو جاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس وقت ہماری ایک ایک ہڈی الگ الگ ہو جائیگی۔ اور ہم سڑ گل کر ریزہ ریزہ ہو جائینگے۔ کیا یہ ممکن ہے۔ کہ اس صورت میں ہم ایک بالکل نئے لطیف جسم کے ساتھ قائم رہیں ایسے لوگوں کو سنا دو۔ کہ خواہ تم پتھر اور لوہے کے ذروں میں بھی تبدیل ہو جاؤ۔ یا تم اپنے آپ کو ایسی حالت میں پہنچا ہوا بھی مان لو کہ جو تمہارے نزدیک قطعی ناممکن ہے۔ تو بھی تمہاری شخصیت قائم رہیگی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ایسا لطیف جسم کون دیگا۔ اُن سے کہہ دو۔ کہ جس خداوند قدوس نے تم کو موجودہ کثیف جسم دیا ہے۔ وہی تم کو ایک لطیف جسم کے ساتھ زندہ رکھیگا یہ سنکر وہ لاجواب ہو کر اپنے سر کو ہلا کر کہتے ہیں۔ کہ اچھا ہم نے مانا۔ کہ ایسا ہوگا۔ لیکن یہ تو بتاؤ۔ کہ ایسا کب ہوگا۔ اُن سے کہدو۔ کہ ممکن ہے۔ ایسا جلدی ہی ہو جائے۔ روح کے جسم سے الگ ہونے کے بعد جب وہ اپنے آپ کو ایک لطیف جسم کے ساتھ زندہ دیکھینگے۔ تو وہ خداوند قدوس کی تقدیس کرینگے۔ اور خیال کرینگے۔ کہ ہم نے دنیا میں جو کثیف جسم کے ساتھ زندگی بسر کی تھی۔ وہ اس لطیف جسم کی زندگی کے مقابلہ میں بالکل ہیچ تھی"۔

قرآن شریف کی مذکورہ بالا تعلیم سے جہاں "دراواگون" کے نہایت ہی فاسد خیال کی دھجیاں اڑ جاتی ہیں۔ وہاں اُن لوگوں کے باطل خیال کا بھی ساتھ

ہی قلع قمع ہو جاتا ہے۔ جو روح کو جسم کے ساتھ ہی فنا ہو جانے والی چیز سمجھتے ہیں۔ اور قرآن شریف اس بات کا نہایت ہی صاف الفاظ میں فیصلہ کر دیتا ہے۔ کہ انسان کی روح کثیف جسم سے الگ ہو کر ایک لطیف جسم کے ساتھ اپنی شخصیت میں برابر قائم و دائم رہتی ہے"۔

شاہم " یہ تو بالکل درست ہے۔ لیکن کیا قرآن شریف کی اس تعلیم کی صداقت کا ثبوت یورپ اور امریکہ کے ریشنلسٹ یا سپرچوئلسٹ بھی دیتے ہیں"۔

رامم " میں اس بات کی مطلق ضرورت نہیں سمجھتا۔ کہ میں اس صداقت کی تائید میں کسی ریشنلسٹ یا سپرچوئلسٹ کے تجربات و مشاہدات کو پیش کروں۔ کیونکہ اس پہلو میں میرے اپنے تجربات و مشاہدات اس قدر کافی ہیں۔ کہ بطور ایک ریشنلسٹ اور سپرچوئلسٹ کے میں قرآن شریف کی مذکورہ بالا تعلیم کو ایک آخری سند مانتا ہوں۔ لیکن چونکہ تم ایک ہندو نژاد ہو۔ اس لئے ممکن ہے۔ تم اپنی تنگ ظرفی کی بنا پر مجھ پر یہ الزام جڑ دو کہ میں قرآن شریف کی اس تعلیم کی اس لئے تائید کرتا ہوں۔ کیونکہ قرآن شریف میرے باپ دادا کی کتاب ہے۔ جیسا کہ تم پہلے ہی اپنے اس قسم کے خیال کا اظہار کر چکے ہو۔ اس لئے میں تم کو اپنے تجربات اور مشاہدات بتانے کی بجائے یورپ اور امریکہ کے سائنس دان۔ ریشنلسٹ اور سپرچوئلسٹ اصحاب میں سے چند ایک ایسے اصحاب کے تجربات و مشاہدات سنا سکتا ہوں جو کہ اس وقت یورپ اور امریکہ میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔ اور تم کو پتہ لگ جائیگا۔ کہ روح کی آئندہ زندگی کے بارے میں جس قسم کی تعلیم قرآن شریف چھٹی صدی مسیحی سے دیتا چلا آرہا ہے۔ آج اسی تعلیم کے سامنے بیسویں صدی کا ریشنلزم اور سپرچوئلزم سجدہ کر رہا ہے۔ ان تجربات اور مشاہدات کو سن کر تمہیں اس بات کا بھی پتہ لگ جائیگا۔ کہ یورپ اور امریکہ میں "آواگون" جیسی باطل پرستی اور روح کو کیمیائی فعل کا نتیجہ ماننے کے خیالات کا کس زور شور سے قلع قمع ہو رہا ہے"۔

شاہم " میں آپ کا بہت مشکور ہونگا۔ اگر آپ مجھے اُن تجربات و

مشاہدات کا کچھ حال سنائینگے"۔

رام - "سب سے پہلے تم اُن تجربات و مشاہدات کو سنو۔ جو کہ مشہور عالم مسٹر ڈبلیو۔ ٹی۔ سٹیڈ صاحب آنجہانی مالک و ایڈیٹر ریویو آف ریویوز (لنڈن واقعہ انگلینڈ) کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔ مسٹر ڈبلیو۔ ٹی۔ سٹیڈ صاحب اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ انسان کی روح جسم سے الگ ہو کر نہ تو فنا ہو جاتی ہے۔ نہ ہی کسی دوسرے حیوان یا نباتات کی جون میں چلی جاتی ہے۔ بلکہ وہ اپنی انسانی شخصیت کے ساتھ قائم رہتی ہے۔ اپنے تجربات و مشاہدات کا بدیں الفاظ ذکر کرتے ہیں:۔

"اب میں اس کو چھوڑ کر براہ راست اس ثبوت کو بیان کرتا ہوں۔ کہ جس نے مجھے موت کے بعد ہستی کے قائم رہنے کی صداقت کا یقین دلایا ہے۔ میں یہ پہلے ہی بتا دینا چاہتا ہوں۔ کہ مجھے یہ طاقت حاصل ہے۔ کہ جسے خود بخود لکھنے کا عطیہ کہا جاتا ہے۔ اُس سے میری مراد یہ ہے۔ کہ اپنے دل کو یکسو کرنے کے بعد اپنی قلم کر کاغذ پر رکھ کر میرا ہاتھ دور بیٹھے دوستوں کے پیغام لکھ سکتا ہے۔ خواہ وہ اس دنیا میں زندہ موجود ہوں خواہ اس دنیا کی اصطلاح کے موافق وہ مر چکے ہیں اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایسے خود بخود پہنچنے والے پیغاموں کا کسی زندہ دوست کی طرف سے حاصل کرنے کا فائدہ یہ ہے۔ کہ جس شخص کی طرف سے پیغام آتا ہے۔ اُس سے ذکر کر کے اُن کے ٹھیک ہونے کی تصدیق کرنی ممکن ہے۔ غلط فہمی سے بچنے کی خاطر میں یہ ذکر کر دیتا ہوں کہ میری صورت میں پیغام بھیجنے والا شاذ و نادر ہی اُس کے بھیجنے کی طرف سے باخبر ہوتا ہے۔ اور بعض دفعہ یہ معلوم کر کے کہ اُس کے بے خبر دل نے وہ پیغام بھیجا تھا۔ حیران ہو جاتا ہے۔ اور ناراض ہو جاتا ہے اس کی تشریح کرنے کے لئے میں ذیل میں ایک ایسے ہی تجربے کی بابت بیان کرتا ہوں۔ جو میرے تجربوں کی ابتدا میں ہی واقعہ ہُوا تھا۔

میری ایک دوست لیڈی جو میرے ہاتھ کے ذریعے کتنے ہی فاصلے پر سے جیسے کہ وہ اپنے ہاتھ سے لکھ سکتی ہیں۔ اُس سے زیادہ آزادانہ طور پر لکھ

لہ یہ اقتباس ڈیبر لوگ کے متعلق مسٹر سٹیڈ کی شہادت" مترجمہ پنڈت دیو رتن سے لیا گیا ہے۔ ایڈیٹر

سکتی ہیں۔ لنڈن سے تقریباً ۳۰ میل کے فاصلے پر ہیس میر نامی گاؤں میں چھٹی کا دن گزارنے کے لئے گئی ہوئی تھیں۔ انہوں نے وعدہ کیا تھا۔ کہ بدھوار کو اگر وہ واپس آ گئیں تو وہ میرے ساتھ کھانا تیسرے پہر کھائینگی سوموار کی شام کو میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ آیا وہ گاؤں سے چل پڑی ہیں اور اپنی قلم کاغذ پر رکھکر میں نے دماغی طور پر اُن سے دریافت کیا کہ آیا وہ لنڈن واپس پہنچ گئی ہیں۔ میرے ہاتھ نے مندرجہ ذیل عبارت لکھ دی:۔

"میں بہت افسوس سے آپ کو یہ بتاتی ہوں کہ میرے ساتھ ایک بہت دردناک واقعہ پیش آیا ہے۔ کہ جس کا ذکر کرنے میں بھی مجھے شرم معلوم ہوتی ہے۔ میں ۲۷-۲ بعد دوپہر کو ہیس میر سے ایک سیکنڈ کلاس گاڑی میں جس میں دو عورتیں اور ایک مرد تھے روانہ ہوئی جب ریل گاڑی گوڈرلنگ کے سٹیشن پر کھڑی ہوئی تو وہ دونو عورتیں گاڑی سے اُتر گئیں اور میں اس آدمی کے ساتھ اکیلی گاڑی میں رہ گئی۔ گاڑی کے روانہ ہونے کے بعد یہ شخص اپنی جگہ سے اُٹھ کر میرے پاس آ گیا۔ میں چوکس ہو گئی اور میں نے اُس کو پیچھے دھکیلا اُس نے پیچھے ہٹنے سے انکار کیا۔ اور مجھے چومنے کی کوشش کی میں غصہ میں آ گئی یہاں تک کہ ہمارے درمیان کشمکش شروع ہو گئی۔ میں نے اس کا چھاتہ پکڑ لیا اور دے مارا۔ لیکن یہ ٹوٹ گیا۔ اور مجھے اس بات کا فکر ہو ہی رہا تھا۔ کہ وہ مجھ پر قابو پا لیویگا۔ جب کہ گاڑی گڈل فولڈ اسٹیشن پر پہنچنے سے پہلے دھیمی ہونی شروع ہو گئی۔ اُس نے خوف زدہ ہو کر مجھے چھوڑ دیا اور گاڑی کے پلیٹ فارم پر پہنچنے سے پہلے ہی وہ کود پڑا اور بھاگ گیا میں بہت پریشان ہو گئی۔ لیکن چھاتہ میرے پاس ہے"۔

میں نے اپنے سکرٹری کو ایک رقعہ دے کر بھیجا جس میں صرف اتنا ذکر تھا کہ مجھے اُس حادثہ کی بابت معلوم کر کے بہت افسوس ہے۔ اور میں نے مندرجہ ذیل الفاظ اور بڑھا دئے:۔

"تسلی رکھو اور اس آدمی کا چھاتہ بدھوار کو اپنے ساتھ لاؤ"۔

اس پر اس لیڈی نے جواب میں لکھا "کہ مجھے بڑا افسوس ہے۔ کہ آپ

کو اس واقعہ کا علم ہے۔ میں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ میں کسی کو نہیں بتاؤنگی میں ٹوٹا ہوا چھاتہ نے آؤنگی لیکن یہ میرا چھاتہ تھا نہ کہ اُس کا۔"

جب وہ بدھ کے روز سہ پہر کا کھانا کھانے کے لئے آئیں تو انہوں نے اس کہانی کی حرف بہ حرف تصدیق کردی اور ٹوٹا ہوا چھاتہ دکھلایا جو کہ اُن کا اپنا تھا۔ اور اُس آدمی کا نہیں تھا۔ اس پیغام کے بھیجنے میں یہ ایک غلطی کس طرح واقع ہو گئی۔ اُس کا مجھے کچھ پتہ نہیں ہے۔ شاید باقی کے سارے بیان کے صحیح ہونے کی تائید میں یہ واحد غلطی ہو گئی ہوگی۔ میں یہ جتلا دوں کہ مجھے اس گاڑی کی بابت جس میں لیڈی مذکور سفر کر رہی تھیں کوئی خیال تک نہ تھا اور ذرا بھی شک و شبہ نہ تھا۔ کہ اُن کے ساتھ ایسی مصیبت پیش آئی ہے +

میں یہ جتلانا چاہتا ہوں اس وقت سے لے کر گزشتہ پندرہ سال کے اندر میں اپنے بہت سے دوستوں سے اس قسم کے خود بخود پہنچنے والے پیغام حاصل کرتا رہا ہوں اور آج کل بھی حاصل کرتا ہوں۔ ان میں سے بعض میں غلطیوں کی فی صدی تعداد ذرا زیادہ ہوتی ہے۔ مگر عموماً یہ کل پیغام اس قدر درست ہوتے ہیں۔ کہ اُن سے بہت حیرانی پیدا ہوتی ہے۔ ایسے دوستوں کے ساتھ جو ابھی اس دنیا میں موجود ہیں۔ اور جو میرے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں۔ خود بخود ٹیلی پیتھی (دماغی خبر رسانی) کا طریقہ میرے لئے ویسا ہی درست ہے۔ جیسا کہ تار برقی یا کسی اور صداقت کا جس کی ہر روز تصدیق ہو سکتی ہے۔ موجود ہونا درست ہے۔ اب دوسرا سوال یہ ہے کہ آیا زندہ آدمیوں کے یہ خود بخود دماغی خبر رسانی کا طریقہ جو خشکی پر بلا تار کے برقی پیغام رسانی کے مشابہ ہے۔ اُن لوگوں تک بھی بڑھایا جا سکتا ہے۔ جو موت کے دریا کو عبور کر چکے ہیں۔ اس موقعہ پر میں پھر اپنا ہی تجربہ بیان کرتا ہوں +

میری دو دوست لیڈیاں تھیں کہ جو آپس میں ایک دوسرے پر بہنوں کی طرح فدا تھیں حسب معمول اُنہوں نے ایک دوسرے سے وعدہ کیا تھا کہ جو کوئی پہلے مر گئی۔ وہ دوسری کے پاس اپنے آپ کو ظاہر کرنے کے لئے کوشش کریگی۔ تاکہ موت کے بعد کی دنیا کی صداقت مثل تصدیق چشم دید ہو جائے۔ اُن

ہیں سے ایک جس کا کہ سچین نام جولیا تھا۔ عہد و پیمان کرنے کے تھوڑے عرصہ بعد بوسٹن ہیں مر گئی۔ چند ہفتے کے اندر اُس نے اپنی دوست لیڈی کو شگاگو ہیں سوتے ہوئے جگایا۔ اور اپنے آپ کو اُس کے بستر کے پاس ظاہر کیا۔ جب کہ وہ بہت ہی خوش دکھلائی دیتی تھی۔ چند منٹ تک چپ چاپ کھڑی رہنے کے بعد وہ آہستہ آہستہ ہلکی دھند کی شکل ہیں تبدیل ہو گئی۔ جو آدھا گھنٹہ تک چھت ہیں رہی چند ماہ کے بعد وہ لیڈی انگلستان چلی آئی۔ وہ اور ہیں ایسٹ نوکیسل ہیں جو کہ انگلستان کے مغرب کی طرف واقعہ ہے ٹھیرے ہوئے تھے۔ جب کہ جولیا دوسری دفعہ واپس آئی۔ اُس کی دوست لیڈی ابھی سوئی نہیں تھی۔ وہ اچھی طرح بیدار تھی۔ اُس نے پھر جولیا کو ویسا ہی صاف صاف دیکھا۔ جیسا کہ اُس کی زندگی ہیں دیکھا تھا۔ لیکن جولیا اُس وقت بھی بول نہ سکی۔ اور اُس کی شکل پھر غائب ہو گئی۔ اس کی دوست لیڈی نے جولیا کے دوسری دفعہ ملنے کا مجھ سے ذکر کیا۔ اور مجھ سے دریافت کیا کہ آیا ہیں اُس سے کوئی پیغام حاصل کر سکتا ہوں۔ ہیں نے کہا کہ ہیں کوشش کرونگا۔ اور دوسری صبح کو حاضری کھانے سے پہلے میرے اپنے کمرہ ہیں میرے ہاتھ کے ذریعے ایک بہت پُر معنی پیغام لکھا گیا۔ جو مختصر لیکن بہت پُر مطلب تھا۔ ہیں نے پیغام بھیجنے والے کی شناخت کا ثبوت پوچھا۔ میرے ہاتھ نے لکھا کہ اُس لیڈی کو کہو کہ اُس بات کو یاد کرے۔ جو ہیں نے اُس کو کہی تھی جب کہ ہم آخری دفعہ منروا[1] سے ملی تھیں۔ ہیں نے اعتراض کیا کہ پیغام بے معنی سا ہے۔ میرے ہاتھ نے اُسی بات پر قائم رہ کر کہا کہ وہ دوست لیڈی اس بات کو سمجھ لیگی۔ ہیں اُس پیغام کے بیہودہ پن پر ایسا آزردہ خاطر ہوا کہ بہت دیر تک ہیں نے اُس کو پہنچانے سے انکار کیا۔ جب آخر کار ہیں نے وہ پیغام اُس کی دوست لیڈی کو پہنچایا تو وہ چلا اُٹھی کہ کیا درحقیقت اُس نے یہ لکھا ہے۔ تب ضرور یہ لکھنے والی جولیا ہی ہے۔ اور اس ہیں کچھ بھی غلطی نہیں ہے۔ ہیں نے حیران ہو کر دریافت کیا کہ تم منروا کے پاس کس طرح جا سکتی تھیں اُس نے جواب دیا کہ آپ اس کی بابت درحقیقت کچھ نہیں جانتے۔ جولیا نے

[1] منروا یونان اور روم کے پُرانے لوگوں کے نزدیک علم و ہنر کی دیوی کا نام تھا جیسے کہ ہمارے

اپنی موت سے کچھ دن پہلے مس ولرڈ کا جو عورتوں کی کرسچین ٹمپرنس یونین کی بانی تھی۔ دوسرا پیارا نام منروا رکھا ہوا تھا۔ اور اس کو ایک بروچ نذر کیا تھا۔ کہ جس پر منروا کی تصویر تھی۔ اُس نے اُس کے بعد اُسے منروا کے سوا کسی اور نام سے نہیں بلایا۔ اور جو پیغام کہ اُس نے تمہارے ہاتھ سے لکھا ہے۔ مجملاً وہی ہے۔ جو کہ اُس نے مجھے آخری دفعہ دیا تھا۔ جب کہ منروا اور میں جولیا کے بستر مرگ پر آخری سلام اور آخری ملاقات کے لئے آئی تھیں +

اس پیغام میں بھی ذرا سی غلطی ہو گئی تھی۔ منروا جولیا کے پاس آئی تھی نہ کہ جولیا منروا کے پاس گئی تھی۔ لیکن باقی کا پیغام درست تھا +

تب میں نے تجویز کی کہ میں اور پیغام حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں میری دوست لیڈی ایک لمبے میز کے ایک سرے پر بیٹھ گئی اور میں دوسرے سرے پر جب میرا ہاتھ چند ایک سوالات کا جواب لکھ چکا تو میں نے جولیا سے اُن کے صحیح ہونے کی تصدیق کے لئے ایک اور ثبوت کے طور پر دریافت کیا۔ کہ آیا وہ میرے ہاتھ کے ذریعے اپنی دوست لیڈی کو کسی ایسے حادثہ کی یاد دلا سکتی ہے۔ جو اُن دونوں کی زندگی سے تعلق رکھتا ہو۔ اور جس کا مجھے کچھ علم نہ ہو۔ جیوں ہی میں نے یہ کہا اُسی وقت مجھے جواب مل گیا میرے ہاتھ نے یہ لکھا۔ کہ اُس سے دریافت کرو کہ آیا اُسے وہ واقعہ یاد ہے جب کہ ہم اکٹھی گھر جا رہی تھیں۔ اور وہ گر گئی تھی اور اُس کی ریڑھ کی ہڈی کو چوٹ آئی تھی۔ جیوں ہی کہ میں نے پیغام پڑھا۔ تو میں نے کہا کہ اس بات سے کسی پوری ہو گئی ہے۔ کیونکہ مجھے بالکل پتہ نہیں تھا کہ تمہارے ساتھ کبھی ایسا واقعہ پیش آیا ہے۔ میں نے میز کی دوسری طرف نظر اُٹھا کر دیکھا کہ میری دوست بہت حیران ہے۔ اُس نے اعتراض کیا۔ کہ جولیا میری کی زندگی میں میری ریڑھ کی ہڈی کو کبھی چوٹ نہیں لگی۔ میں نے اپنے ہاتھ کو لعنت ملامت کر کے مخاطب کیا۔ کہ تم نے خوب گڑبڑ مچا دی ہے۔ میں نے تو ہزاروں چھوٹے چھوٹے حادثات میں سے ایک کی بابت دریافت کیا تھا

جو تم دونوں کو اکٹھے پیش آئے ہونگے۔ اور تم نے ایک حادثے کی بابت لکھ دیا ہے۔ جو کہ کبھی واقعہ میں نہیں ہوا۔ میرے ہاتھ نے مستقل مزاجی سے لکھا کہ میں راستی پر ہوں۔ وہ بھول گئی ہے۔ میں نے بات کاٹ کے کہا کہ اس طرح تو کوئی بھی کہ سکتا ہے۔ کیا تم یہ بات اُسے یاد دلا سکتی ہو؟ جواب ملا کہ ہاں! میں نے جواب دیا کہ پھر بتاؤ یہ کب واقعہ ہؤا تھا؟ جواب ملا کہ سات سال ہوئے ہیں +

یہ واقعہ کہاں ہؤا تھا؟

سٹریٹر واقعہ لیٹا ئیس میں +

یہ کس طرح واقعہ ہؤا تھا؟

ایک سنیچر کی شام کو وہ اور میں دفتر سے گھر کی طرف جا رہی تھیں زمین پر برف پڑی ہوئی تھی۔ جب ہم مسز بیول کے گھر کے سامنے پہنچیں تو میری اس دوست لیڈی کا پاؤں چکنے پتھر پر سے پھسل پڑا۔ اور وہ گر گئیں اور اُن کی پیٹھ پر چوٹ آئی +

جب میں نے یہ پیغام اونچی آواز میں پڑھے تو وہ دوست لیڈی بول اٹھیں کہ اوہو! جولیا تمہاری مراد اس واقعہ سے تھی۔ اب مجھے وہ اچھی طرح یاد ہے۔ میں پیٹھ کے درد کے باعث دو یا تین دن تک بستر پر پڑی رہی تھی۔ لیکن مجھے اس بات کا علم نہیں تھا۔ کہ میری ریڑھ کی ہڈی کو چوٹ آئی ہے +

مجھے اسی طرح کی اور زیادہ مثالیں دینے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اس طرح شروع کی ہوئی خط و کتابت پندرہ سال سے زیادہ عرصے سے ہوتی رہی ہے۔ مجھے جولیا کی ہستی اور اُس کی شناخت کی بابت کچھ بھی شک نہیں ہے۔ ٹھیک جس طرح کہ مجھے اپنی بیوی یا اپنی بہن کی ہستی کی بابت کچھ شبہ نہیں ہے +

اس مثال میں مرحوم مرنے سے پہلے کئے ہوئے وعدہ کو پورا کرنے کی خاطر دو بار جسمانی شکل میں ظاہر ہوئی تھی۔ اس کے بعد پیغاموں کے لکھنے کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ جس کی تصدیق پہلے ایک گمراہ کرنے والے پیارے نام

سے ہوئی جس سے کہ پیغام بے ہودہ سا معلوم ہوتا تھا۔ اور دوسرے اپنی دوست کو پوری تشریح کے ساتھ ایک ایسے واقعہ کی یاد دہانی سے ہوئی جو کہ وہ بھول چکی تھی۔ ان پیغاموں کے حاصل کرنے میں خود میرے سوا کسی اور میڈیم کا دخل نہیں تھا۔ میرا ارادہ کسی بات کو غلط یا خود بنا کر پیش کرنے کا نہیں تھا۔ جیسا کہ میرے مذکورہ بالا بیان سے ثبوت ملتا ہے۔ کہ میں کافی ثبوت کا طالب تھا نہ کہ ضعیف الاعتقاد لیکن باتیں ٹھیک ویسے ہی ظہور میں آئیں۔ جیسا کہ میں نے بیان کی ہیں۔ تب اگر میں نے اُن کل پیغاموں کو حاصل کر کے ایسا محسوس کیا کہ میں درحقیقت پر لوک باسیوں کے ساتھ خط و کتابت کر رہا تھا۔ تو کیا آپ اس سے متعجب ہو سکتے ہیں؟

اُن اشخاص میں بھی کہ جو میرے مذکورہ بالا بیان کی صداقت میں تامل کرنے کی جرأت نہیں کرینگے۔ ایسے شخص موجود ہونگے۔ جو یہ کہینگے۔ کہ اس سے تو صرف زندہ آدمیوں کے ساتھ دماغی خبر رسانی (ٹیلی پیتھی) کا مسئلہ صحیح ثابت ہونے سے بڑھ کر اور کسی بات کا ثبوت نہیں ملتا۔ میں بھی اُن کے اس بیان کی صداقت کو تسلیم کرتا ہوں۔ بشرطیکہ یہ بات بھی قبول کر لی جائے کہ ہمیں کسی شخص کے اندرونی خیالات کا بغیر اُس شخص کے اس بات سے خبردار ہونے کے پتہ لگ سکتا ہے۔ مندرجہ بالا بیان میں پیغام بھیجنے والے کے دماغ کی بے خبری کی حالت میں وہ کچھ معلوم ہوا کہ جو اُسے ہوش کی حالت میں فراموش ہو چکا تھا۔ انسان کے بے خبر دماغ کے ذریعہ خبر رسانی (ٹیلی پیتھی) کا عمل ہمیں اس دنیا سے گزرے ہوئے انسانوں سے حاصل کئے ہوئے پیغاموں میں یقین کرنے کی طرف لے جاتا ہے۔ لیکن اس دنیا سے گزری ہوئی روحوں سے بھی اسی قسم کے پیغام پہنچتے ہیں۔ کہ جن کے بارے میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس دنیا کے دماغ کے لحاظ سے بے خبر یا باخبر انسانوں کے ذریعہ ٹیلی پیتھی کے عمل سے ان کا کوئی تعلق ہے۔

یہ وہ پیغام ہیں۔ جو نہ صرف گزشتہ اور موجودہ واقعات کا پتہ دیتے ہیں بلکہ جن کے ذریعے بعض اوقات زمانہ مستقبل میں ہونے والے واقع یا واقعات

کے بارے میں بھی پہلے سے خبر ملتی ہے ٭

ٹھیک اُسی دن جس دن مذکورہ بالا پیغام ثبوت کے طور پر مجھ تک پہنچے جولیا نے ایک پیشینگوئی کی۔ یا اُسے پیشینگوئی تو کیا کہیں دراصل وہ ایک دوست کے ذریعے دوسرے دوست کو ایسے وعدے کرنے سے باز رکھنے کے لئے اطلاع تھی کہ جنہیں وہ پورا نہ کر سکیگا۔ کیونکہ وہ اس وقت انگلینڈ سے تین ہزار میل کے فاصلے پر ہوگا۔ میرے دوست نے اس اطّلاع پر تمسخر اڑایا۔ یہ خبر دوبارہ ملی۔ دونوں بار میرے دوست نے اس پر حقارت سے دیکھا۔ لیکن میرے دوست نے جو وعدے کئے تھے۔ وہ وقت آنے پر فسخ کرنے پڑے کیونکہ اُن کے لئے اُس دور دراز جگہ میں جانا ضروری ہوگیا۔ جس کا جولیا نے نام بتایا تھا یا جس کے بارے میں اُس نے پیشینگوئی کی تھی ٭

ممکن ہے اس واقعہ کے بارے میں یہ اعتراض کیا جاوے۔ کہ اس پیشینگوئی کی پورا ہونے میں اس پیشینگوئی کا بتا دینا بھی مددگار ثابت ہوا ہے۔ خبر دلیل کے لئے اگر یہ مان بھی لیا جاوے۔ تو یہ اعتراض اُس شہادت کے بارے میں نہیں کیا جا سکتا۔ جو کہ میں اب پیش کرنے لگا ہوں۔ چند سال گزرے میرے ہاں ایک بہت اچھے دماغ والی لیڈی نوکر تھی۔ لیکن اُس کا مزاج بہت متلون اور جسم کمزور تھا۔ ایک سال جنوری میں میں اُس سے اس قدر تنگ آگیا۔ کہ میں اُسے برطرف کرنے کے بارے میں سنجیدگی کے ساتھ سوچنے لگا۔ اُسی وقت جولیا نے میرے ہاتھ کے ذریعے یہ لکھایا "ای ایم کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ وہ اس سال کے اخیر تک ہمارے پاس (پرلوک میں) پہنچ جاویگی" میں حیرانی سے چونک پڑا کیونکہ کوئی بات ایسی نہ تھی۔ جس سے مجھے اُس لیڈی کے مرنے کا گمان ہو سکتا میں نے اس پیغام کا اُس سے کچھ ذکر نہ کیا۔ اور اُسے اپنے ہاں بدستور ملازم رہنے دیا۔ میرے خیال میں یہ خبر شاید ۱۵ یا ۱۶ جنوری کو مجھے ملی ٭

فروری۔ مارچ۔ اپریل اور مئی کے مہینوں میں بھی اسی ذریعہ سے پھر یہ خبر ملتی رہی۔ ہر بار اور باتوں کے بارے میں لمبی خط و کتابت کے ضمن

نیں یہ الفاظ "ای - ایم اس سال کے اخیر تک مرجائیگی" بطور یاد دہانی کے لکھے ہوئے ہوتے - جولائی میں انی - ایم بے خبری سے ایک کیل نگل گئی - یہ کیل اُس کے اپے بنیڈکس (انتڑیوں کا ایک حصہ) میں جاکر بیٹھ گئی - دونوں ڈاکٹروں کو جو اس کا علاج کرتے تھے - اس کے بچنے کی اُمید نہ رہی پھر جب جولیا میرے ہاتھ کے ذریعے کچھ لکھ رہی تھی - میں نے اشارتاً کہا - "میں خیال کرتا ہوں کہ ویسا ہی ہو رہا ہے - جیسی کہ آپ نے پیشینگوئی کی تھی"۔ اس پر میری حیرانی کی کوئی حد نہ رہی جب یہ لکھا گیا "نہیں وہ اس مصیبت سے بچ رہیگی - لیکن پھر بھی وہ اس سال کے اختتام تک گزر جاویگی"۔ ای - ایم اچانک تندرست ہوگئی - ڈاکٹروں کو بہت تعجب ہوا اور وہ اپنا روزمرہ کا کام کرنے لگ گئی ؛

ماہ اگست - ستمبر - اکتوبر اور نومبر میں اُس کی موت کے دن کے نزدیک پہنچنے کی خبر میرے ہاتھ کے ذریعے یاد دلائی جاتی رہی - ماہ دسمبر میں وہ انفلوائنزا (سخت زکام) سے بیمار ہوگئی - میں نے پھر جولیا سے کہا - "آیا وہی کچھ ہونے والا ہے - جس کی پیشین گوئی کی گئی ہے"۔ میں پھر حیران ہوا جب جولیا نے یہ لکھا "نہیں وہ معمولی طور سے ہمارے پاس نہیں آئیگی - لیکن وہ سال کے اخیر سے پہلے ضرور آویگی"۔ میں بہت ڈرا - لیکن مجھے بتلا گیا کہ میں اس کو روک نہیں سکتا - کرسمس کے دن آئے - ای - ایم سخت بیمار ہوئی لیکن سال گزر گیا - اور وہ زندہ رہی - میں نے جولیا کو کہا "ای - ایم ابھی تک زندہ ہے - آپ غلطی پر تھیں"۔ جولیا نے جواب دیا "میرے کہنے میں چند دنوں کی غلطی ہوسکتی ہے - لیکن جو کچھ میں نے کہا ہے - وہ ٹھیک ہے"؛

جولیا نے ۱۰ - جنوری کے قریب میرے ہاتھ کے ذریعے لکھا "آپ جب ای - ایم کو کل ملنے جاؤ - تو اُس کو الوداع کہہ آنا - تمام ضروری تیاری کو چھوڑ دو تم پھر اُس کو اس دنیا میں نہیں دیکھوگے"۔ میں اُس سے ملنے گیا - اُس کو بخار چڑھا ہوا تھا - بُری طرح سے کھانسی ہوتی تھی - وہ ایک ا لیسے ہسپتال میں جانے کو تھی جہاں بہتر طور پر اُس کی خبرگیری ہوسکے - جب

تک میں اُنہی کے پاس رہا وہ اپنے کام کے بارے میں جو کچھ کرنا چاہتی تھی۔ اُس کا ذکر کرتی رہی۔ جب میں نے اُسے الوداع کہا تو میں نے خیال کیا کہ آیا جو میں نے کیا۔ اب بھی تو غلطی نہیں کھائی +

دو دن کے بعد مجھے تار ملا کہ ای۔ ایم سخت بے ہوشی کی حالت میں چار منزل پر ایک کھڑکی سے گری اور نیچے مردہ پائی گئی!! یہ پہلی اطلاع کے دینے کے بعد بارہ ماہ کے اختتام سے ایک دو دن پہلے واقع ہوا +

اس بیان کی صداقت اصل پیغاموں کے دستاویزات سے ثابت ہو سکتی ہے۔ جن پر میرے دو سکرٹریوں کے دستخط ہیں۔ جن کو میں نے جولیا کے اس بارے میں خبر پہنچانے کا پتہ دیا تھا۔ اور جن کو اس کے پوشیدہ رکھنے کا حکم تھا +

اس سے بہتر پیشین گوئی کی کوئی اور مضبوط مثال کیا ہو سکتی ہے۔ یہ ایک دفعہ نہیں بلکہ بارہ دفعہ تحریر میں آئی۔ تم اس کا چاہے کچھ ہی باعث تصوّر کرو۔ لیکن ٹیلی پیتھی چاہے وہ خبر یا باخبر انسانوں کے ذریعے ہو۔ اس کا باعث نہیں ہو سکتی +

اس لیڈی نے جس کا نام ای۔ ایم سے مخفف کیا گیا ہے۔ اور جس کی خوفناک موت کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ میرے ساتھ وعدہ کیا تھا۔ کہ اگر وہ مجھ سے پہلے مری تو وہ میرے لئے چار کام کریگی۔ وہ اپنی حین حیات میں میرے ہاتھ کے ذریعہ ہمیشہ لکھتی رہی تھی اور اُس نے وعدہ کیا کہ اوّل وہ اگر ہو سکا تو موت کے بعد کے اپنے حالات میرے ہاتھ کے ذریعے تحریر کریگی۔ دوسرے اگر ہو سکا تو وہ اپنے ایک یا دو دوستوں کو دکھائی دیگی۔ تیسرے وہ اپنی تصویر فوٹو کے ذریعہ کھچوائیگی اور چوتھے وہ کسی میڈیم کے ذریعے میرے پاس پیغام بھیجیگی۔ جس پر کہ ایک دائرے میں کراس کا نشان ہوگا +

لیڈی ای۔ ایم نے اپنے چاروں وعدوں کو پورا کیا ہے +

(۱) اُنھوں نے کئی بار میرے ہاتھ کے ذریعے لکھا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسی ہی آسانی سے میرے ہاتھ کے ذریعے لکھ سکتی ہیں۔ جیسے کہ وہ

اس دنیا میں پہلے لکھا کرتی تھیں ؛

(۲) وہ میرے دو دوستوں کو دکھائی دے چکی ہیں۔ جن میں سے ایک مرد ہے اور ایک عورت۔ وہ ایک دفعہ آدمیوں سے پُر کھانا کھانے والے کمرے میں نظر آئیں اور صرف اپنے دوستوں کو دکھائی دیں۔ جنہوں نے بیان کیا ہے۔ کہ اُنہوں نے انہیں صاف طور پر دیکھا۔ ایک اور موقع پر وہ گلی میں عین دن کے وقت ظاہر ہوئیں۔ کچھ دور تک چلتی دکھائی دیں۔ اور پھر گم ہوگئیں۔ اُن کی شکل اُن کی پہلی شکل سے اس قدر مشابہ تھی کہ یہ کہنا کہ کوئی اور وجود ہو سکتا ہے۔ بہت مشکل تھا ؛

(۳) اُن کی موت کے بعد کم از کم آدھی درجن بار اُن کا فوٹو لیا جا چکا ہے۔ اُن کی تمام تصویریں بخوبی پہچانی جا سکتی ہیں۔ اور اُن میں سے کوئی اُن کی حین حیات میں لی ہوئی کسی فوٹو کی نقل نہیں ہے ؛

(۴) اب صرف ایسے پیغام کا ثبوت باقی رہتا تھا کہ جس پر دائرے میں کراس کا نشان ہو۔ چند مہینوں تک مجھے ایسا کوئی پیغام نہ ملا۔ میں اس بارے میں تمام امید کھو چکا تھا۔ جب ایک دن ایک میڈیم نے۔ جو کھانا کھا رہا تھا۔ پہلی دفعہ ہی کوشش کرنے سے یہ پیغام لکھا "ولیم کو کہ دو۔ کہ جو کچھ میں نے کہا ہے۔ اُس کے لئے مجھ پر الزم نہ لگائے۔ میری طاقت میں نہ تھا۔ کہ میں ایسا نہ کرتی"۔ پھر اس پر دائرے کے اندر کراس کا نشان کھینچ گیا۔ اس نشان سے میرے سوا اور کوئی واقف نہ تھا۔ میں نہ اُس میڈیم کو جانتا تھا۔ اور نہ ہی اس وقت حاضر تھا۔ نہ ہی میرا کوئی ایسا دوست وہاں تھا۔ جسے ای۔ ایم سے پیغام حاصل کرنے کی امید ہو ؛

کیا یہ تعجب کی بات ہے۔ کہ ایسے تجربوں کے بعد مجھے پرلوک کی روحوں کی طرف خبر بھیجنے اور اُن سے خبر حاصل کرنے کے امکان میں اُس سے زیادہ شک نہیں ہے۔ جتنا کہ اس مضمون کو ہارنجر اوف لائٹ کے ایڈیٹر تک پہنچانے میں رہتا ہے ؛

میں روحوں کے فوٹو کھینچنے کی طرف اشارہ کر چکا ہوں۔ بہن اُس بیان

کی صداقت پر اعتراض کرنے والے کو بے ہتھیار کرنے کے لئے پہلے ہی یہ تسلیم کرتا ہوں۔ کہ روحوں کے جھوٹے فوٹو کھینچنا جس قدر آسان ہے۔ اُس قدر کوئی اور چیز آسان نہیں ہے۔ اور ایک ہوشیار شعبدہ باز نہایت محتاط سے محتاط آدمی کو دھوکا دے سکتا ہے۔ لیکن پہلے سے خاص نشان کی ہوئی پلیٹیں کہ جن کو میں خود ہی ہاتھ لگاتا ہوں اور جن کو میں خود ہی کیمرا میں رکھکر شیشے کا منہ کھولتا ہوں۔ اور جنہیں میں خود ہی ڈیولپ (تیار) کرتا ہوں۔ اس قسم کے دھوکے میں آنے سے مجھے قطعی طور پر بچاتی ہیں۔ مگر روحوں کے فوٹو کی صداقت میں میرا یقین اس سے بھی بہت زیادہ مضبوط بنیاد پر قائم ہے۔ کیونکہ ایک تجربہ کرنے والا ممکن ہے۔ پھر بھی اپنی چوکسی میں غلطی کر جائے۔ روحوں کے فوٹو کی صداقت کا سب سے بڑھ کر ثبوت یہ ہے۔ کہ ایک ایسے مردہ انسان کی صاف طور سے پہچانی جانے والی فوٹو ایک ایسے فوٹو گرافر سے کھچ جاتی ہے۔ کہ جس کی ہستی سے وہ فوٹو گرافر بالکل ناواقف ہو۔ اور کیمرے کے سامنے بیٹھے ہوئے انسان کو بھی اپنے آس پاس کوئی شکل دکھائی نہ دیتی ہو۔ میں نے ایسے فوٹو ایک دفعہ نہیں بلکہ بہت دفعہ لئے ہیں۔ میں یہاں اُن میں سے ایک کا بیان کرونگا۔ فوٹو گرافر جو روحوں کی تصویریں کھینچتا ہے۔ ایک اَن پڑھ بہت بوڑھا آدمی ہے۔ اور ہم لوگ ایک وقت میں اُس کے اس کام میں بہت روک بنے ہوئے تھے۔ وہ روحوں کو دیکھنے اور روحوں کی باتیں سننے کی طاقت بھی رکھتا ہے۔ بوئر لوگوں کے ساتھ گزشتہ جنگ کے دنوں میں میں ایک دوست کے ساتھ فوٹو گرافر مذکور سے تصویر اُتروانے گیا۔ میں ابھی بیٹھا ہی تھا۔ کہ اس بوڑھے آدمی نے کہا "ایک دن مجھے بہت ڈر لگا تھا۔ کیونکہ ایک بوڑھا بوئر بندوق لئے ہوئے سٹوڈیو (تصویر لینے کے کیمرے) میں آیا۔ اُس کی ہیبت ناک شکل سے میں خوف زدہ ہوگیا تھا۔ میں نے اُس کو کہا "تم یہاں سے چلے جاؤ۔ کیونکہ میں بندوقوں کو پسند نہیں کرتا" اس پر وہ چلا گیا۔ لیکن آج اب وہ تمہارے ساتھ آیا ہے۔ اب اس کے پاس بندوق نہیں ہے۔ اور نہ ہی اُس کی ویسی ڈراؤنی شکل ہے

کیا وہ اندر آجاوے؟"

میں نے جواب دیا۔ "ہاں"۔ اور پوچھا کہ "تم اُس کا فوٹو بھی کھینچ سکتے ہو؟"

بوڑھے آدمی نے جواب دیا۔ "میں ٹھیک نہیں کہہ سکتا۔ میں کوشش کرونگا"۔

اس پر میں کیمرہ کے آگے بیٹھ گیا۔ باقاعدہ لینس کا شیشہ ننگا کیا گیا نہ ہی مجھے اور نہ ہی میرے دوست کو اُس کمرے میں فوٹوگرافر اور ہمارے سوائے کوئی شخص دکھائی دیتا تھا۔ بیشتر اس کے فوٹوگرافر نے کیمرے سے پلیٹ کو نکالا۔ میں نے اُس فوٹوگرافر سے پوچھا:۔

"تم اُس دن بوئر کے ساتھ بولے تھے۔ کیا تم آج بھی اُس کے ساتھ بات چیت کر سکتے ہو؟"

بوڑھے آدمی نے کہا۔ "ہاں میں کوشش کر سکتا ہوں"۔

میں نے کہا۔ "اس کا نام پوچھو"۔

فوٹوگرافر دماغی سوال پوچھنے اور اُس کا جواب سننے کی حالت میں معلوم ہوا۔

پھر اُس نے کہا۔ "وہ کہتا ہے میرا نام پائیٹ بوتھا ہے"۔

میں نے کہا۔ "ارے پائیٹ بوتھا! میں فلپ بوتھا۔ لوئیس بوتھا۔ کرس بوتھا۔ اور کتنے ہی اور بوتھا جانتا ہوں۔ لیکن پائیٹ بوتھا تو میں نے کبھی نہیں سنا!"

بوڑھے آدمی نے پھر کہا۔ "وہ اپنا نام یہی بتاتا ہے"۔

جب اُس نے پلیٹ کو تیار کیا۔ تو میرے پیچھے ایک بال دار۔ لمبا۔ مضبوط آدمی دکھائی دیا جس کو ایک بوئر یا ایک موزک کہا جا سکتا تھا۔ میں نے اُس وقت اور کچھ نہ کہا اور جنگ کے خاتمہ کی انتظار کی۔ آخرکار جب مشہور جنرل بوتھا لندن میں آئے۔ تب میں نے پراتی اورنج فری سٹیٹ کے وزیراعظم مسٹر فشچر کے ذریعے اُن کے پاس یہ فوٹو بھیجا۔ دوسرے دن مسٹر وینزل ایک اور فری سٹیٹ کا ڈیلی گیٹ مجھ سے ملنے آیا۔

اُس نے دریافت فرمایا۔ "آپ نے یہ فوٹو جو آپ نے نفشچر کو دیا تھا۔ کہاں سے حاصل کیا ہے؟"

میں نے جس طرح سے حاصل کیا تھا ٹھیک ٹھیک بتا دیا۔

اُس نے سر ہلایا اور کہا۔ "میں ایسی گپوں میں یقین نہیں رکھتا۔ آپ ٹھیک ٹھیک بتائیں کہ آپ نے یہ فوٹو کہاں سے حاصل کیا تھا۔ جس کا یہ فوٹو ہے ولیم سٹیڈ کو نہیں جانتا تھا۔ اور وہ کبھی انگلینڈ میں نہیں آیا۔"

میں نے جواب دیا۔ "کچھ ہی ہو۔ میں بتا چکا ہوں جس طرح سے میں نے اُسے حاصل کیا اگر آپ کو پسند نہیں تو آپ مجھ پر یقین نہ کریں۔ لیکن آپ اس کے بارے میں اس قدر فکرمند کیوں ہیں؟"

اُس نے کہا۔ "کیوں؟ کیونکہ وہ میرا نزدیکی رشتے دار تھا۔ اُس کی تصویر میرے وطن میں میرے گھر میں لٹکتی ہے۔"

میں نے کہا۔ "ہاں! کیا وہ مر چکا ہے؟"

اُس نے جواب دیا۔ "کیمبرے کے محاصرے میں یہ بوئروں کا پہلا کمانڈر تھا کہ جو مارا گیا۔"

میں نے پوچھا۔ "اس کا نام کیا تھا؟"

اُس نے بتایا۔ "پائٹرس یوہنس بوتھا۔ لیکن ہم اُسے ہمیشہ پائیٹ بوتھا بلایا کرتے تھے۔"

یہ فوٹو اب تک میرے پاس ہے۔ حال میں ہی دو اور فری سٹیٹ کے باشندوں نے اُسے پہچانا ہے۔ جو کہ پائیٹ بوتھا سے اچھی طرح واقف تھے۔ کم از کم یہ واقعہ ایسا نہیں ہے۔ جس کی ٹیلی پیتھی جواب دے سکتی ہے۔ نہ ہی یہ دھوکا کہا جا سکتا ہے۔ یہ صرف اتفاق تھا۔ کہ میں نے فوٹوگرافر سے اس روح کا نام دریافت کیا۔ جس قدر میں معلوم کر سکا ہوں۔ نہ ہی انگلینڈ میں ایسا کوئی شخص تھا۔ جو جانتا ہو کہ پائیٹ بوتھا کبھی ہوا تھا۔

جس چیز کی ضرورت ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ وہ انسان جو موت کے بعد

زندگی میں یقین نہیں رکھتے۔ وہ ایمانداری سے بتائیں کہ کس قسم کی شہادت پیش کرنے سے اُنہیں یقین آسکتا ہے۔ میں نے ان مضامین میں جو کچھ بتایا ہے۔ وہ میرے خیال میں موت کے بعد زندگی کے قیام کی مدلل شہادت ہے۔ مذکورہ بالا تمام واقعات میرے ذاتی تجربے ہیں۔ اُن کی صداقت کا یقین میرے ناظرین کے لئے میری سچائی کی نسبت اُن کے اندازہ پر منحصر ہے۔ یہ باتیں دراصل ایسے ہی وقوع میں آئیں۔ جیسی کہ میں نے تحریر کی ہیں۔ فرض کرو۔ اگر یہ باتیں آپ کے سامنے وقوع میں آتیں تو آپ انہیں تسلیم کرنے سے انکار کرتے؟ کم از کم اس مضمون میں پوری پوری سائینٹفک تجربہ کی بنا پر تحقیقات سے یہ امر صاف طور پر ثابت ہوتا ہے۔ کونسی اور شہادت۔ کس قسم کی شہادت۔ کن حالات میں شہادت یقین دلانے کے لئے چاہیئے؟

میں یہ نہیں کہتا کہ کبھی دوسرے آدمی کی گواہی پر جلدی سے کسی بات کو تسلیم کرلینا چاہئے۔ یہ سچ ہے۔ کہ تمام انسان ٹھیک اُسی طرح میڈیم نہیں جیسے کہ تمام ٹیلی فون یا کوئی پیغام (بغیر تار کے خبر) حاصل نہیں کرسکتے میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا ہوں۔ کہ میں بذات خود میڈیم ہوں۔ اس سے ایک دقت تو حل ہو جاتی ہے۔ لیکن اس دنیا میں بہت سے ایماندار میڈیم ہیں۔ شاید کچھ تمہارے اپنے کنبے میں ہوں اگر تم اُنہیں معلوم کرنا چاہو۔

اخیر میں یہ عرض ہے۔ کہ میں پچھلے پندرہ سال سے پے در پے براہ راست شہادتوں کے ذریعے اس یقین پر پہنچا ہوں۔ کہ موت کے بعد انسانی وجود قائم رہتے ہیں۔ اور اُن کے ساتھ بات چیت کی جاسکتی ہے۔ لیکن میں نے ہمیشہ کہا ہے۔ کہ "میں اُس وقت تک اس بات پر اپنا آخری یقین ظاہر کرنے کے لئے انتظار کرونگا۔ جب تک میرے اپنے پریوار سے کوئی گزر نہیں جاتا"[1]

بارہ مہینے گزرے کہ اسی دسمبر کے مہینے میں میرا سب سے بڑا لڑکا

[1] اب اس بات کو قریباً پونے تین سال ہو گئے ہیں ۔ ا۔ ج۔ ت

جس کو میں نے اس امید کے ساتھ تربیت دی تھی۔ کہ وہ میرے بعد میرا جانشین ہوگا۔ تینتیس ۳۳ برس کی عمر میں فوت ہو گیا۔ میرے اور اُس کے درمیان سب سے زیادہ نزدیکی کا رشتہ تھا۔ کوئی مجھے جھوٹ موٹ میرے پیارے لڑکے کی طرف سے پیغاموں کو بتا کر دھوکا نہیں دے سکتا۔

اب بارہ مہینے گزر چکے ہیں۔ اس عرصے میں تقریباً ہر ہفتہ میرے لڑکے نے اپنے پیغاموں کے ذریعے مجھے خوش کیا۔ اور تسلی دی ہے۔ اور میں محسوس کرتا ہوں۔ کہ وہ اب پہلے سے بھی زیادہ میرے نزدیک اور میرے لئے عزیز بن گیا ہے۔ اس سے پہلے بارہ مہینے میں گھر سے باہر رہا تھا[1]۔ اس عرصے میں مجھے اُس کی طرف سے کم خبر ملی۔ بہ نسبت اس کے کہ پچھلے بارہ مہینے میں کہ جب سے وہ اس دنیا کو چھوڑ چکا ہے۔ میں نے اپنے ہاتھ سے اُس کے ساتھ خط و کتابت نہیں کی۔ میں اُس سے اس قدر واقف تھا۔ کہ میں نے خیال کیا کہ جو کچھ میں لکھونگا۔ وہ شاید گزشتہ زمانے میں اُس کے ساتھ میری بات چیت کی بے خبر گونج نہ ہو۔ اُس نے میرے ساتھ دو کم واقف شخصوں کے ذریعے خط و کتابت کی ہے۔ اور وہ پیغام سب کے سب اُس کے اپنے چال چلن اور طرز خیالات کی ویسی ہی صاف مہر رکھتے ہیں۔ جیسے کہ اس دنیا میں اُس کے قیام کے دنوں میں میرے نام اُس کے خط رکھتے تھے۔

اس کے بعد میرے لئے اب شک کی شہادت نہیں رہی۔ میرے لئے مسئلہ حل ہو چکا ہے۔ سچائی کی تصدیق ہو گئی ہے۔ اور مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ مجھے تمام دنیا کو کھلم کھلا یہ کہنے کا موقع مل گیا ہے۔ کہ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے۔ میرے لئے اس بارے میں شک کرنا ناممکن ہے۔"

---

[1] یہاں پر مسٹر سٹیڈ نے امریکہ میں اپنے دورے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ا۔ ج۔ ت

آٹھویں فصل

روح کا اُس کے لطیف جسم کے ساتھ ظاہر ہونا

اور

اُس کی مختلف حالتوں کی تصویر اُتاری جانا

رام "مسٹر ڈبلیو۔ ٹی۔ سٹیڈ آنجہانی کے جن تجربات و مشاہدات کو تمہارے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ وہ اس لئے نہیں ہے۔ کہ تم ان تجربات و مشاہدات پر اندھا ایمان لے آؤ۔ بلکہ یہ اس لئے ہے۔ تاکہ تم پر "آواگون" کے نہایت ہی فاسد خیال کی بطالت کو زیادہ واضح الفاظ میں ظاہر کیا جاسکے"

شام "میں اس بات کو یقینی طور پر تسلیم کرتا ہوں۔ کہ "آواگون" درحقیقت ایک نہایت ہی فاسد وہم ہے۔ لیکن مجھے اس بات کے ماننے میں کسی قدر تامل ہے۔ کہ آیا مسٹر ڈبلیو۔ ٹی۔ سٹیڈ کے بیان کردہ تجربات و مشاہدات درحقیقت درست ہیں؟"

رام "جس صورت میں کہ آج سے کئی سال پیشتر اپنی جیون حیات میں صاحب موصوف نے سائنٹفک دنیا کو اور روح کی آئندہ انسانی شخصیت کے بارے میں شبہات کرنے والے اصحاب کو کھلا چیلنج دے رکھا تھا۔ اور کوئی اہل سائنس اُن کے مذکورہ بالا تجربات و مشاہدات کو غلط ثابت کرنے کے لئے آگے نہ آیا۔ تو سمجھنا چاہیئے۔ کہ یہ تجربات و مشاہدات کسی قسم کی دھوکہ بازی یا جعلسازی پر منحصر نہیں تھے۔ خاص کر جب کہ

مسٹر سٹیڈ کی پوزیشن یورپ اور امریکہ کے اندر ایسی ہو۔ کہ اُس کو دنیا کی کسی چیز کی تحصیل کے لئے جعلسازی کی ضرورت نہ ہو سکتی ہو۔ اور وہ خود بھی ایک اعلےٰ درجے کا سائنس داں ہو۔ اس صورت میں مسٹر سٹیڈ کے تجربات و مشاہدات پر شبہ کرنا بیجا ہے"۔

شام "ممکن ہے۔ اہل سائنس نے مسٹر سٹیڈ کے تجربات و مشاہدات کو وقعت دینا مناسب نہ سمجھا ہو"۔

رام "اس قسم کے فضول خیالات ہندوستان میں ہی پائے جاتے ہیں۔ مگر یورپ اور امریکہ میں ہر ایک نئی بات میں خواہ وہ کسی بھی ادنےٰ سے ادنےٰ شخص کی ذات سے تعلق رکھتی ہو۔ بال کی کھال اتاری جاتی ہے۔ یہ ممکن نہیں تھا۔ کہ مسٹر سٹیڈ اپنے تجربات و مشاہدات کو کھلے الفاظ میں تمام دنیا کے سامنے پیش کرے۔ اور اُن کو غلط ثابت کرنے کے لئے ایک بھی شخص میدان میں نہ آئے۔ مگر مسٹر سٹیڈ کا ہی یہ تجربہ نہیں تھا۔ کہ جسم سے الگ ہو کر روح اپنی انسانی شخصیت کو قائم رکھتی ہے۔ بلکہ یورپ اور امریکہ کے بڑے نامی گرامی اہل سائنس نے تو یہاں تک کمال کر کے دکھا دیا ہے۔ کہ انہوں نے روح کی اُس کے لطیف جسم کے ساتھ تصویریں بھی اتار لی ہیں۔ جس کا تھوڑا سا حال تم مسٹر سٹیڈ کے تجربات میں بھی پڑھ چکے ہو"۔

شام "کیا آپ ایسے کسی سائنس داں کے تجربات کا پتہ دے سکتے ہیں؟"

رام "ہاں دے سکتا ہوں۔ سائنس کے چمکتے ہوئے ستارے پروفیسر سر ولیم کروکس اپنے اس قسم کے تجربات اور مشاہدات کا بدیں الفاظ ذکر کرتے ہیں:۔

"میرے نزدیک اہل سائنس کا یہ فرض ہے۔ کہ وہ اُن مشاہدات پر غور کریں جو کہ عام طور پر دیکھنے میں آتے ہیں۔ اور جن مشاہدات کی طرف پبلک کی توجہ اس قدر لگی ہوئی ہے۔ تاکہ وہ جان سکیں۔ کہ آیا یہ مشاہدات درحقیقت کسی اصلیت پر مبنی ہیں۔ یا محض ایک قسم کی شعبدہ بازی ہے۔ مادی اشیا کا

ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جائے جانا۔ اور اس قسم کی آوازوں کا آنا جو کہ برقی طاقت سے پیدا شدہ آوازوں سے ملتی ہوں۔ اس قسم کے مشاہدات ہیں جن کی صداقت کا مجھے اسی طرح کامل طور پر یقین ہے۔ جس طرح کہ میں کیمسٹری کے ابتدائی اصولوں پر یقین رکھتا ہوں۔ میری تحقیقات سب کی سب سائنس کی بنا پر نہایت ہی ٹھیک پیمانہ پر رہی ہے۔ اور میں صاف الفاظ میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں۔ کہ میرا ان مشاہدات میں یقین نہایت ہی کامل چھان بین کے بعد پختہ ہو گیا ہے۔ میں نے بطور ایک سائنس دان کے ایسی تحقیقات کی ہے۔ جو معمولی آدمی نہیں کر سکتا۔ ایک سائنس داں علم و عقل کی بدولت شروع سے اخیر تک اپنے سامنے تجربات و مشاہدات کا ایک سلسلہ رکھتا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے۔ کہ جہاں ایک طرف ان مشاہدات میں خطرہ اور شبہ موجود ہے۔ وہاں دوسری طرف اُس کو بالکل یقینی صداقت بھی نظر آتی ہے۔ لیکن جہاں قدم قدم پر عجائبات نظر آ رہے ہو۔ وہاں اس کے لئے لازم ہوتا ہے۔ کہ وہ ان کی صداقت کو جانچنے کے لئے زیادہ سے زیادہ اور سخت سے سخت تجربات کرے۔ اہل تحقیق کو ضرور اپنا کام کرنا چاہئے خواہ اُن کا کام مقدار میں کتنا ہی تھوڑا کیوں نہ ہو۔ لیکن اگر اس کام کا کافی معاوضہ مل جاتا ہے۔ تو اہل سائنس کو تسلی ملنی چاہئے۔ مگر عجائبات کی اس روحانی دنیا میں جس کی طرف کہ اہل سائنس اپنے قدم بڑھا رہے ہیں۔ کیا اس سے بڑھ کر کوئی حیرانی کی بات ہو سکتی ہے۔ کہ وہ اپنے حواس خمسہ پر اعتبار نہ کر کے بہت سے دوسرے آلات کا بھی استعمال کرتے ہیں۔ تاکہ اُن کو کسی قسم کا شبہ نہ رہے۔ جن اہل سائنس کے سامنے یہ تجربات کئے جا رہے ہیں۔ اُن کی تعداد اگرچہ زیادہ نہیں ہے۔ مگر اس میں شک نہیں۔ کہ یہ مضمون فزیالوجی کا ایک معرکہ کا مضمون ہے۔ اور جب یہ مشاہدات ہمارے دل میں ایک خاص یقین پیدا کر دیتے ہیں۔ تو ہم ان کو روحانی ماننے کے لئے مجبور ہوتے ہیں۔ اس وقت تک میں نے جو مادی مشاہدات کئے ہیں۔ ان سے میری عقل حیران ہے۔ اور مجھے اُن کا کوئی حل نہیں سوجھتا۔ یہی حالت روحانی

اور دماغی مشاہدات کی ہے۔ جن سے کوئی فلاسفر انکار کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ اسی طرح بہت سے ایسے واقعات کا سلسلہ ہے۔ کہ جن کو بیان کرنے سے قلم قاصر ہے۔ لیکن ان باتوں کا ٹھیک ٹھیک کامیابی سے پتہ لگانے کے لئے فلاسفر کو آگے آنا چاہیئے اور بغیر کسی قسم کے تعصب یا ضد کے تجربہ کرنا چاہیئے۔ اور اس بارے میں اُس کو ایسی ہی بے رحمی اور سرد مہری سے تحقیقات کرنی چاہیئے۔ جیسے کہ اس کے سائنس کے آلات بے رحم ہوتے ہیں۔ اس صورت میں اس کو یقین ہو جائیگا۔ کہ جو واقعات اس کے سامنے ہو رہے ہیں۔ وہ خواہ اس کے نزدیک ممکن ہوں۔ یا نا ممکن۔ لیکن اس میں شک نہیں۔ کہ وہ ہو ضرور رہے ہیں۔ اس مسافر کی طرح جو کہ ایک دور دراز کے ملک میں تحقیقات کر رہا ہو۔ ایسا ملک جس کے عجائبات کی بابت اس نے دوسروں کی زبانی بہت کچھ سن رکھا ہو۔ میں چار سال سے اس روحانی عجائبات کی دنیا میں نہایت ہی سرگرمی اور سردردی سے تحقیقات کر رہا ہوں۔ اس بارے میں جو تجربات اور مشاہدات میں نے کئے ہیں۔ میں یہ شہادت دے سکتا ہوں۔ کہ اگرچہ وہ میرے پیشتر سے جمے ہوئے مادی سائنس کے اعتقادات کے برخلاف تھے۔ لیکن اب بھی جب میں ان مشاہدات کو یاد کرتا ہوں۔ تو میرے دل میں یہ تعصب پیدا ہوتا ہے۔ کہ وہ لوگ جو یہ دلیل دیتے ہیں۔ کہ یہ تجربات و مشاہدات مادی سائنس کے اصولوں کے برخلاف ہیں۔ ان کی یہ دلیل بالکل نامعقول معلوم ہوتی ہے۔ جبکہ امر واقعہ یہ ہے۔ کہ یہ مشاہدات و تجربات سب کے سامنے کئے گئے۔ اور یہ تو ہو نہیں سکتا۔ کہ دیکھنے والوں کے سب کے ہوش مارے گئے ہوں۔ جو یہ کہتا ہے۔ کہ دنیا میں کوئی ایسی چیز ہے جس کو کہ نظر بندی یا مخبوط الحواسی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ جس کے ذریعہ تمام اردگرد کے دیکھنے والے ہاں میں ہاں ملاتے جاتے ہیں۔ میرے نزدیک ایک بالکل لغو اور لچر خیال ہے۔ میں اس قسم کی کسی نظر بندی کا قائل نہیں ہوں۔ سپرچوئلزم ایک قسم کا مذہب ہے۔ جس کی صداقت کے ہزاروں لاکھوں قائل ہیں۔ بہت سی حالتوں میں وہ میڈیم یا معمول کو عام لوگوں کے سامنے نہیں لاتے۔ کیونکہ

وہ ان روحانی واقعات کو اہل سائنس کے تجربات کا تختہ مشق بنانے کو معیوب سمجھتے ہیں۔ لیکن بطور ایک دوست کے مجھے یہ خاص استحقاق دیا گیا تھا۔ کہ میں ان روحانی واقعات کا مشاہدہ اور تجربہ کروں۔ میری درخواست پر خود میرے ہی گھر میں یہ واقعات دکھائے گئے۔ اور میں یہ شہادت دیتا ہوں۔ کہ یہ کسی قسم کی شعبدہ بازی نہیں تھی۔ کیونکہ میں نے اس کو سائنس کے ان تمام ممکن ذرائع سے جانچا۔ اور پڑتالا۔ جو کہ ان واقعات کی صداقت کو پانے کے لئے لازمی اور ضروری تھے۔ یہ واقعات دن کی روشنی میں کئے گئے۔ جبکہ میڈیم کے علاوہ بہت سے دوسرے دوست بھی موجود تھے۔ میں نے ان واقعات کے متعلق جو کچھ تحقیقات کی ہے۔ میں اُس کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔ جر ثقیل کے کسی قسم کے آلات کے بغیر بھاری بوجھ کا ایک جگہ سے دوسری جگہ تک منتقل کئے جانا۔ مختلف قسم کی اونچی اور نیچی آوازوں کا آنا۔ جسموں کے بوجھ میں تبدیلی ہونا۔ میڈیم سے بہت فاصلے پر اشیا کا خود بخود حرکت میں آنا۔ میز اور کرسی کا بغیر کسی انسانی سہارے کے سطح زمین سے بلند ہونا۔ انسانی جسم کا ہوا میں معلق ہونا۔ چھوٹی چھوٹی اشیا کا بغیر چھونے کے ادھر ادھر حرکت کرنا۔ روشن شکلوں کا نمودار ہونا۔ ہاتھوں کا دکھائی دینا۔ جو کہ یا تو خود بخود روشن تھے۔ یا روشنی میں دیکھے گئے براہ راست لکھنا۔ مختلف روحوں کی شکل و صورت کا نظر آنا۔ یہ تمام واقعات ایسی حالت میں ہوتے تھے۔ کہ یہ ماننا پڑتا ہے۔ کہ ان کو وقوع میں لانے والی کوئی عاقل ہستی ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ وہ ہستی کیا ہے۔ ہماری سمجھ سے باہر ہے میں تجربات اور مشاہدات کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہوں۔ کہ یہ عاقل ہستی نہ تو میڈیم تھا۔ نہ ہی کمرے میں موجودہ اصحاب میں سے کوئی تھا۔ نہ ہی کمرے میں کسی انسان کا یہ فعل تھا؛؛

پروفیسر کروکس صاحب نے بہت سے ایسے واقعات بیان کئے ہیں۔ جو کہ مذکورہ بالا بیان کی تائید میں ہیں۔ اور نتیجہ نکالا ہے۔ کہ یہ تمام واقعات کسی بیرونی عاقل ہستی کے فعل کا نتیجہ ہیں۔ یہاں پر اُن کے ایک تجربہ کا ذکر کیا جاویگا۔ جو کہ نہایت ہی عجیب و غریب ہے۔ اس کی سرخی در روح کی

شکل ہے۔ پروفیسر کروکس صاحب کے گھر میں ایک میڈیم کو جس کا نام فلورینس کگ تھا۔ لے جایا گیا۔ مس کگ ایک غیر معمولی میڈیم تھی۔ جو روح اس میں کام کر رہی تھی۔ اس کا نام کیٹی کنگ تھا۔ کیٹی کنگ نے اپنے آپ کو کس طرح ایک مادی شکل میں ظاہر کیا۔ اس کو پروفیسر کروکس کے ہی الفاظ میں ذیل میں بیان کیا جاتا ہے:۔

"اُس ہفتہ میں جبکہ روح کیٹی کنگ میڈیم سے الگ ہو کر جانے کو تھی تو اُس نے اپنے آپ کو ایک مادی شکل میں ظاہر کیا۔ تاکہ میں اُس کی تصویر اُتاروں۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے فوٹوگرافی کے پانچ مختلف مجموعے مہیا کئے گئے۔ اُن میں سے ہر ایک مجموعے میں پانچ پانچ کیمرے تھے۔ ایک ہول پلیٹ کا کیمرا۔ دوسرا کوارٹر پلیٹ کا۔ اور دو بائنا کولر سٹیرو سکوپک کیمرا تھا۔ ان تمام کیمروں کو کیٹی کی تصویر لینے کے لئے ہر ایک موقع پر استعمال میں لایا گیا۔ جبکہ وہ تصویر کے لئے مادی شکل میں نمودار ہوئی تھی۔ تصویر سے پہلے تمام پلیٹوں کو اچھی طرح سے امتحان کے بعد تیار رکھا گیا۔ تاکہ تصویر لیتے وقت دیری نہ ہو۔ یہ پلیٹ میں نے اپنے ہاتھ سے تیار کئے تھے اور میری مدد پر دو اسسٹنٹ تھے۔ میری لائبریری بطور ایک تاریک کمرے کے استعمال میں لائی گئی۔ اس کے دروازے "لیبوریٹری" میں کھلتے تھے۔ ان میں سے ایک دروازے کے کواڑ اتار دئے گئے۔ اور اُس کی جگہ پردہ لٹکا دیا گیا۔ تاکہ کیٹی آسانی سے اندر باہر آجا سکے۔ ہمارے دوست جو وہاں موجود تھے پردے کو اچھی طرح سے دیکھ سکتے تھے۔ اور کیمرے ان سے پیچھے کی طرف کچھ فاصلے پر رکھے گئے۔ تاکہ کیٹی کی تصویر لینے کے لئے تیار رہیں۔ ہر شام کے وقت پانچ کیمروں میں تین یا چار دفعہ تصویر لی جاتی تھی اور ہر ایک موقع پر پندرہ مختلف تصویریں اتاری جاتی تھیں۔ بعض ان میں سے دھوتے وقت خراب ہو گئیں۔ اس طرح میں نے چوالیس "نیگیٹو" تیار کئے جن میں سے بعض نہایت اعلےٰ تھے۔ کیٹی نے یہ ہدایت کر دی تھی۔ کہ تمام حاضرین توجہ کے ساتھ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں۔ لیکن اس نے مجھے اجازت دیدی

تھی۔ کہ میں جو کچھ بھی چاہوں کروں۔ یعنی بند مکان میں جس طرح چاہوں۔ کیٹی کو دیکھوں بھالوں۔ میں کئی دفعہ اس بند کمرے میں اس کے پیچھے گیا اور میں نے کیٹی اور میڈیم کو دیکھا۔ لیکن بعض اوقات بند کمرے میں سوائے میڈیم کے کوئی نہیں ہوتا تھا۔ اور کیٹی کی سفید پوشاک غائب ہو جاتی تھی۔ گزشتہ چھ ماہ سے مس کک اکثر میرے گھر پر آتی رہی۔ اور وہ بعض اوقات ایک ایک ہفتہ میرے پاس ٹھیرتی رہی۔ اس کے ساتھ ایک چھوٹا سا بغیر قفل کے بیگ تھا۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ جتنی دیر وہ میرے پاس ٹھیرتی ہے میری بیوی۔ میں اور گھر کے دوسرے تمام ممبر موجود رہتے ہیں۔ اور اُس کو الگ کمرے میں بھی سونے نہیں دیا جاتا۔ ایسے حالات میں صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ کسی قسم کی بناوٹ کی تیاری نہیں کر سکتی۔ میں اپنی لائبریری کے کمرے کو اپنے ہاتھ سے آپ صاف کرتا اور اُس کو تاریک کمرہ بناتا ہوں۔ جبکہ مس کک کھانا کھانے کے بعد ہمارے ساتھ گفتگو میں مشغول ہوتی ہے۔ اور ایک منٹ کے لئے بھی ہماری آنکھوں سے اوجھل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ وہ اسی حالت میں سب کے سامنے بند کمرے میں لائی جاتی ہے۔ اور اُس کے کہنے پر کمرے کا اندر سے قفل لگا دیا جاتا ہے۔ اور اُس کی چابی میں اپنے پاس رکھتا ہوں۔ گیس کی روشنی بجھا دی جاتی ہے۔ اور مس کک کو اندھیرے میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ تاریک کمرے میں داخل ہو کر مس کک فرش پر لیٹ جاتی ہے۔ اور اس کا سر ایک تکیہ پر ہوتا ہے۔ اور وہ بیہوش ہو جاتی ہے۔ تصویر اُتارتے وقت کیٹی نے معمول کے چہرے پر ایک دوشالہ ڈال دیا۔ تاکہ اس پر روشنی نہ پڑے۔ جس وقت کیٹی نزدیک کھڑی ہوتی تھی۔ تو میں اکثر پردے کو ہٹا دیتا تھا۔ اور ہم سب سات یا آٹھ اصحاب جو کہ تاریک کمرے میں موجود ہوتے تھے۔ مس کک اور کیٹی کو برقی روشنی میں ایک ساتھ دیکھتے تھے۔ اس موقع پر ہم میڈیم کے چہرے کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ کیونکہ وہ شال سے ڈھکا ہوا ہوتا تھا بلکہ اس کے ہاتھ اور پاؤں نظر آتے تھے۔ میڈیم کے ہاتھ پاؤں حرکت کرتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ میں نے ایک تصویر دونوں کی اکٹھی لی مگر اس تصویر

ہیں کیٹی مس گگ ۔ کے چہرے کے سامنے بیٹھی ہے ۔ اس تمام عرصہ میں کیٹی کا مجھ پر اس قدر اعتبار ہو گیا ۔ کہ جب تک میں تصویر لینے کے لئے اپنے ہاتھ سے مکمل انتظام نہیں کرتا تھا ۔ وہ تصویر نہیں لینے دیتی تھی ۔ اس کا یہ اعتبار یہاں تک بڑھ گیا ۔ کہ اس نے مجھے اپنے ہر ایک شبہ کو حل کرنے کا موقع دیا ۔ جو کہ کسی دوسرے طریقہ پر ناممکن تھا ۔ وہ مجھے ہدایت کر دیتی تھی کہ حاضرین میں سے کس کس شخص کو کس کس جگہ بٹھانا چاہئے ۔ ان تصاویر میں سے ایک نہایت ہی دلچسپ تصویر وہ ہے ۔ جس میں کہ میں کیٹی کے پاس کھڑا ہوں ۔ اس کے پاؤں ننگے ہیں ۔ اور وہ فرش پر کھڑی ہے ۔ میں نے مس گگ کو کیٹی کی سی پوشاک پہنا کر اپنے پاس کھڑا کر لیا ۔ اور ہم تینوں کی اسی کیمرے اور اسی روشنی میں تصویر اُتاری گئی ۔ جس میں کہ باقی کی تصویریں اُتاری گئیں تھیں ۔ اس تصویر میں میری تصویر قد و قامت کے لحاظ سے مجھ سے ملتی جلتی ہے ۔ مگر کیٹی کا قد اس تصویر میں مس گگ سے بہت بڑا نظر آتا ہے ۔ اس کا چہرہ میڈیم کے چہرے سے بالکل مختلف ہے اور دونوں کی تصویروں میں اور بھی بہت سے اختلافات ہیں ۔ مگر کیٹی کے نورانی چہرے کی خوبصورتی کو فوٹو گرافی کے ذریعے ظاہر نہیں کیا جا سکتا ۔ فوٹو گرافی سے اُس کے چہرے کا ڈھانچہ نظر آتا ہے ۔ مگر اس سے اُس کے چہرے کی نورانی پاکیزگی ۔ یا اُس کے خوبصورت اعضا کی حرکات و سکنات کا جبکہ وہ اپنی زندگی کے خوشگوار لمحوں کا ذکر کر کے خوش ہوتی ۔ یا ناخوشگوار لمحوں کا ذکر کر کے آزردہ ہوتی ہے ۔ کیونکر تصویر اُتاری جا سکتی ہے ۔ خاص کر جبکہ وہ اپنی زندگی کے اُن واقعات کا ذکر کرتی ہے ۔ جو کہ ہندوستان میں اُس کے قیام کے دنوں میں وقوع ہوئے تھے ۔ کیٹی کے بارے میں اس قدر بیان کرنے کے بعد اب میں ان اختلافات کا بیان کرنا چاہتا ہوں جو کہ کیٹی اور میڈیم مس گگ کی شکلوں میں دیکھے گئے ۔ میں کہتا ہوں ۔ کہ کیٹی اور مس گگ دو علیحدہ علیحدہ شخصیتیں ہیں ۔ مس گگ کے چہرے پر بہت سے ایسے نشانات ہیں ۔ جو کہ کیٹی کے چہرے پر نہیں ہیں ۔ مس

گگ کے بال سیاہی مائل بھورے ہیں۔ مگر کیٹی کے سر کے بال سنہری رنگ کے تھے۔ ایک شام کو میں نے کیٹی کی نبض پر ہاتھ رکھا۔ اس کی رفتار ۷۵ تھی۔ مگر مس گگ کی نبض کی رفتار ۹۰ تھی۔ کیٹی کے دل کی رفتار مس گگ کے دل کی رفتار سے زیادہ باقاعدہ تھی۔ اسی طرح تجربہ کرنے پر کیٹی کے پھیپھڑے مس گگ کے پھیپھڑوں سے زیادہ توانا معلوم ہوئے کیونکہ جس وقت میں نے یہ تجربہ کیا۔ اس وقت مس گگ کو کھانسی کا مرض تھا۔ اور وہ زیر علاج تھی۔ جب کیٹی کے رخصت ہونے کا وقت آیا تو میں نے اُس کو آخری دفعہ دکھائی دینے کے لئے کہا۔ چنانچہ اُس نے حاضرین میں سے سب کے ساتھ کلام کی۔ اور مجھے اُس نے مس گگ کی حفاظت کے بارے میں خاص ہدایت کی۔ ان ہدایات میں سے جو کہ شورٹ ہینڈ رائٹنگ سے لکھی گئی تھیں۔ میں مفصلۂ ذیل کو یہاں پر نقل کرتا ہوں:۔

"مسٹر کروکس نے ان تجربات میں بہت عمدگی کا ثبوت دیا ہے۔ میں فلورنیس کو اُس کے ہاتھ میں سونپتی ہوں۔ تاکہ وہ اُس کی احتیاط رکھے۔ مجھے یقین کامل ہے۔ کہ وہ اس بھروسے میں پورا اتریگا۔ وہ کسی مصیبت کے وقت اس کی میری نسبت بہتر مدد کرسکتا ہے۔"

یہ کہکر کیٹی نے مجھ کو بند کمرے میں بلایا۔ پردہ کو بند کرکے اُس نے تھوڑی دیر تک مجھ سے گفتگو کی۔ اور پھر کمرے میں اُس جگہ گئی۔ جہاں پر کہ مس گگ بیہوش پڑی تھی۔ اُس پر جھک کر کیٹی نے اُس کو چھوا۔ اور کہا:۔

"جاگو! فلوری۔ جاگو! اب میں جاتی ہوں۔"

(مس) گگ جاگی۔ اور اُس نے کیٹی سے زیادہ دیر تک ٹھیرنے کی درخواست کی۔ مگر کیٹی نے کہا۔ "میری پیاری! اب میں زیادہ دیر تک نہیں ٹھیر سکتی۔ کیونکہ میرا مقصد پورا ہوگیا۔ خدا آپ کو برکت دے۔" یہ کہکر

وہ مس لگ سے کئی منٹ تک گفتگو کرتی رہی۔ یہاں تک کہ مس لگ کے آنسوؤں نے اُس کو بولنے سے بند کر دیا۔ میں کیٹی کی ہدایت کے مطابق مس لگ کو سہارا دینے کے لئے آگے بڑھا۔ جو کہ فرش پر گرنے کو تھی۔ میں نے ارد گرد دیکھا۔ لیکن نورانی شکل کیٹی غائب ہو گئی۔ جب مس لگ کو اچھی طرح ہوش آ گیا۔ تو روشنی کی گئی۔ اور اُس کو باہر لایا گیا۔ میں نے مس لگ کو ہر ایک امتحان کے اندر سے گزارا۔ اور میں نے دیکھا۔ کہ اس میں کسی قسم کا دھوکہ نہیں تھا۔ میں یقیناً کہ سکتا ہوں۔ کہ اگر وہ کسی قسم کا دھوکہ کرنا بھی چاہتی۔ تو اس کا فوراً پتہ لگ جاتا۔ کیونکہ وہ فطرتاً دھوکہ دہی سے پاک ہے۔ میں یہ خیال نہیں کر سکتا۔ کہ ایک پندرہ سالہ سکول میں پڑھنے والی لڑکی اس قسم کی مسلسل دھوکہ دہی کر سکتی ہو اور اس کا پتہ نہ لگایا جا سکے۔ خاص کر اس صورت میں جبکہ وہ ہر وقت ان تمام آزمائشوں کے لئے تیار ہو۔ جو کہ ایک سائنس داں کر سکتا ہے اور وہ عمل سے پہلے یا بعد ہر ایک قسم کی تحقیقات یا تلاشی دینے کے لئے بالکل مستعد ہو۔ اور یہ تمام باتیں اس کے والدین کے گھر میں نہیں بلکہ میرے گھر میں واقع ہوتی ہوں۔ اور اس کے والدین کو بھی یہ علم ہو۔ کہ اس پر یہ تجربات کئے جا رہے ہیں۔ اور وہ ان تجربات میں شامل ہوں۔ ان تمام باتوں کی موجودگی میں یہ خیال کرنا کہ کیٹی کنگ کسی قسم کی جعلسازی یا بناوٹ تھی۔ انسانی عقل کو جواب دے دینا ہے۔ میں یقیناً اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ کہ کیٹی کوئی دھوکہ نہیں تھی۔ بلکہ وہ فی الحقیقت روح تھی۔ جو کہ لطیف جسم کے ساتھ ظاہر ہونے کی طاقت رکھتی تھی"۔

رام" پروفیسر سر ولیم کروکس کے مذکورہ بالا نہایت ہی زبردست تجربات و مشاہدات کا زبردست بیان پڑھ کر تمہارے دل میں کیا خیال پیدا ہوتا ہے"؟

شام" میرے دل میں یہ بات یقین کی حد تک پہنچ گئی ہے۔ کہ جسم سے الگ ہو کر نہ تو روح فنا ہو جاتی ہے۔ نہ ہی وہ کتے۔ بلی۔ بندر۔

سوئر یا گھاس پات کے جسم میں چلی جاتی ہے۔ بلکہ وہ اپنی انسانی شخصیت کے ساتھ قائم رہتی ہے"۔

رام:- "تم بالکل ٹھیک کہتے ہو۔ یہی قرآن مجید کی تعلیم ہے۔ اب تم سمجھ سکتے ہو۔ کہ ویدوں کی اواگون کی تعلیم کس قدر فاسد اور نامعقول ہے"۔

شام:- "میں یقیناً اس بات کا قائل ہو گیا ہوں۔ کہ اواگون کی تعلیم درحقیقت فاسد اور نامعقول ہے۔ اور اُس کے مقابلہ میں قرآن مجید نے جو روح کی آئندہ زندگی کے قیام کے بارے میں تعلیم دی ہے۔ وہ بالکل ٹھیک اور قابل تسلیم ہے"۔

رام:- "مگر اس بات کو تمہارے دل پر زیادہ گہرے طور پر نقش کرنے کے لئے میں تمہارے سامنے ابھی اس مسئلہ کے اور بھی کئی پہلوؤں کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن اپنے الفاظ میں نہیں۔ بلکہ یورپ اور امریکہ کے نہایت ہی مشہور و معروف فلاسفروں کے الفاظ میں پیش کرونگا۔ تاکہ تم کو اس بات کا کامل یقین ہو جائے۔ کہ جسم سے الگ ہو کر نہ تو روح فنا ہو جاتی ہے۔ نہ ہی وہ کسی حیوان یا گھاس پات اور کیڑے مکوڑے کی جُون میں چلی جاتی ہے۔ اور کہ جس طرح روح کو کیمیائی فعل ماننے کا خیال نہایت ہی فاسد اور غلط ہے۔ اسی طرح اواگون کا وہم بھی سخت ناپاک اور نامعقول وہم ہے"۔

شام:- "میں نہایت ہی دلی توجہ کے ساتھ ان تجربات و مشاہدات کا بیان سنونگا۔ کیونکہ یہ تعلیم میرے دل کی اصلی شانتی اور تسکین کا موجب ہے"۔

نویں فصل

کثیف جسم سے الگ ہو کر روح کا لطیف جسم کیونکر بنتا ہے؟

رام "پیارے شام! کیا تم انڈرو جیکسن ڈیوس کے نام سے واقف ہو؟"

شام "ہیں امریکہ کے مشہور و معروف انڈرو جیکسن ڈیوس کے نام سے اچھی طرح واقف ہوں۔ وہ ایک اعلےٰ درجے کے فلاسفر۔ سائنس دان۔ سپرچوئلسٹ۔ ریشنلسٹ اور یوگی بلکہ مہایوگی تھے۔"

رام "تم اُن کے نام سے کیسے واقف ہو؟"

شام "آریہ سماج کے پلیٹ فارم پر سے جو لیکچر دئے جاتے ہیں۔ اُن ہیں اُن کا بڑے زور شور سے ذکر کیا جاتا ہے۔ اور اُن کی تحریروں کو بطور سند کے پیش کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سوامی دیانند کی سوانح عمری مرتبہ پنڈت لیکھرام کے صفحہ ۹۰۵ پر اُن کی ایک تحریر کا بڑے زور شور سے ترجمہ درج کیا گیا ہے۔ آریہ سماج ہیں انڈرو جیکسن ڈیوس کو ایک پرم یوگی مانا جاتا ہے۔"

رام "تم ٹھیک کہتے ہو۔ مگر تم کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے۔ کہ امریکہ ہیں انڈرو جیکسن ڈیوس کے نام کی ٹینی سن۔ ایمرسن۔ ڈارون۔ والس ہیکل اور ٹنڈل جیسے شاعروں۔ فلاسفروں۔ سائنس دانوں اور اہل کمال اصحاب کے ناموں سے بھی زیادہ عزت کی جاتی ہے۔ اور اُس کی تصانیف کو کمال ذوق

وشوق سے پڑھا جاتا ہے۔ مگر کیا تم جانتے ہو۔ کہ روح کی آئندہ زندگی کے بارے میں ایسے فاضل اجل کی کیا رائے تھی ؟"

شام "میں نہیں جانتا "۔

رام "فاضل اجل۔ یوگی بلکہ مہایوگی انڈرو جیکسن ڈیوس اس بات کا قائل نہیں تھا۔ کہ روح جسم کے ساتھ ہی فنا ہو جاتی ہے۔ اور وہ اس فلسد خیال کا بھی قائل نہیں تھا۔ کہ انسان کی روح جسم سے الگ ہو کر کتے۔ بلّی۔ گھوڑے۔ گدھے۔ سانپ۔ بچھو۔ کیڑے مکوڑے یا گھاس پات اور درختوں کے قالب میں چلی جاتی ہے۔ بلکہ وہ اس بات کو نہ بطور ایمان کے بلکہ اپنے تجربات ومشاہدات کی بنا پر بطور ایک صداقت کے تسلیم کرتا تھا۔ کہ انسان کی روح کثیف جسم سے الگ ہو کر اپنی انسانی شخصیت میں ایک لطیف جسم کے ساتھ قائم ودائم رہتی ہے۔ اگر تم پسند کرو تو میں تمہارے سامنے اس مہایوگی کے ایک مشاہدے کا ذکر کر سکتا ہوں "۔

شام "میں انڈرو جیکسن ڈیوس کے اس بارے میں تجربات ومشاہدات کا ذکر سننا دل سے پسند کرتا ہوں "۔

رام "سنو۔ انڈرو جیکسن ڈیوس صاحب لکھتے ہیں :۔

"موت کے معنی سوائے اس کے کچھ نہیں۔ کہ وہ ایک قسم کی تبدیلی ہے۔ تبدیلی سے مراد یہ نہیں ہے۔ کہ انسان کی شخصیت کسی دوسری شکل میں بدل جاتی ہے۔ بلکہ تبدیلی سے مراد یہ ہے۔ کہ روح بطور اصول کے ایک دوسرے جسم میں موجود رہتی ہے۔ جو کہ اس دنیا کا کثیف جسم نہیں ہوتا۔ بلکہ روحانی دنیا سے تعلق رکھنے والا لطیف جسم ہوتا ہے۔ اور وہ جسم اس دنیا کے تعلقات کی بجائے روحانی دنیا کے نہایت ہی خوبصورت اور خوش وخرم تعلقات سے محظوظ ہوتا ہے۔ یہ خیال مت کرو۔ کہ جسم کی موت کے ساتھ ہی روح کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ یا موت کے بعد روح کسی غیر جنس کے قالب میں چلی جاتی ہے۔ بلکہ موت کے بعد جو تبدیلی ہوتی ہے۔ وہ اتنی ہی ہوتی ہے۔ جتنی کہ ایک غنچہ میں ہوتی ہے۔ جبکہ وہ پھوٹ کر پھول کی خوبصورت شکل میں آجاتا ہے۔ پس

موت روح کے لئے ایک معمولی چیز ہے۔ دوسرے الفاظ میں موت ایک بہتر دنیا اور بہترین تعلقات میں نیا جنم لینا ہے۔ اس قسم کی تبدیلیوں کی بہت سی مثالیں نیچر میں دیکھنے میں آتی ہیں۔ وہ نیچر جو خداوند قدوس کا ایک لاتغیر الہام ہے ہر ایک چیز ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہوتی یا نیا جنم لیتی ہے۔ مگر یہ تبدیلی بہتری اور تکمیل کی طرف ہوتی ہے۔ اور ان تغیرات کا نام انسان نے موت رکھ دیا ہے۔ موت ایک دروازہ ہے۔ جو کہ ایک نئی مگر بہتر اور زیادہ مکمل حالت کی طرف کھلتا ہے۔ یہ وہ فتح کا دروازہ ہے۔ جس میں سے گزر کر ایک فانی روح اس جسم سے الگ ہو کر ایک زیادہ روشن زیادہ خوبصورت اور زیادہ عظیم الشان دنیا میں جاتی ہے۔ جس طرح ایک میٹھی خوشگوار اور گہری نیند میں انسان کو کوئی دکھ محسوس نہیں ہوتا۔ اسی طرح ایک طبعی موت کی حالت میں بھی اس کو کوئی دکھ محسوس نہیں ہوتا۔ بلکہ راحت ہوتی ہے اس بات کی تصدیق کے لئے میں اپنے اس مشاہدہ کا ذکر کرتا ہوں۔ جس سے کہ موت کی جسمانی اور روحانی فلاسفی پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ ایک ساٹھ سالہ بڑھیا عورت بیمار تھی۔ جب اُس کی موت کا وقت قریب آیا۔ تو میں خوش قسمتی سے جسم اور دماغ کے لحاظ سے ایک اعلےٰ حالت میں تھا۔ اور میں ایک روحانی استغراق کی حالت میں روح کے جسم سے الگ ہونے کا مشاہدہ کر سکتا تھا۔ میں نے دیکھا۔ کہ کثیف یا مادی جسم روح کی ضرورتوں کو پورا کرنے سے عاجز تھا۔ مگر جسم کے اعضا روح کو اپنے سے الگ ہونے کے راستے میں حائل تھے۔ چنانچہ روح اور جسم بطور دوستوں کے ایک کو دوسرے سے ہمیشہ کے لئے الگ الگ کرنے والی تمام طاقتوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ یہ کشمکش بادی النظر میں بہت تکلیف دہ معلوم ہوتی تھی۔ لیکن جب میں نے غور سے دیکھا۔ تو میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ کیونکہ میں نے معلوم کیا۔ کہ جسم کی وہ حرکات کسی قسم کے دکھ یا تکلیف کی علامات نہیں تھیں۔ بلکہ وہ اس بات کی علامت تھیں۔ کہ روح جسم سے ہمیشہ کے لئے علحدہ ہونیکی تیاری کر رہی ہے۔ یک لخت کثیف جسم کے سر کے ارد گرد ایک نہایت ہی لطیف۔ نرم۔ لچکدار۔

اور روشن حلقہ نمودار ہوا۔ اور میں نے دیکھا۔ کہ دماغ کے بالائی اور زیرین حصے بہت پھیل گئے ہیں۔ میں نے یہ بھی دیکھا۔ کہ دماغ نے اپنے فعل کو ترک کر دیا ہے۔ اس کے بعد میں نے ملاحظہ کیا۔ کہ دماغ کے ان حصوں میں برقی اور مقناطیسی لہروں نے زیریں حصے میں سے نکل کر اپنا غلبہ پا لیا۔ یک لخت دماغ ایسا صاف اور نازک ہو گیا۔ کہ اُس کی لطافت و نزاکت تندرستی کی حالت سے دس گنا زیادہ ہو گئی۔ موت کے لمحوں سے پہلے قدرتی طور پر دماغ کی ایسی ہی حالت ہوتی ہے۔ اس کے بعد موت کا فعل یا روح کا جسم سے الگ ہونے کا عمل مکمل طور پر شروع ہوا۔ دماغ نے جسم کے تمام اعضا کی برقی قوت۔ مقناطیس۔ حرکت۔ زندگی اور حس کے تمام عناصر کو اپنے مختلف حصوں میں جمع کرنا شروع کر دیا۔ اور سر نہایت ہی پُر جلال ہو گیا اور میں نے نہایت ہی غور سے اس بات کا مشاہدہ کیا۔ کہ جس قدر جسم کے زیریں حصے سیاہ اور ٹھنڈے ہوتے جاتے تھے۔ اسی قدر دماغ زیادہ ہلکا اور روشن ہوتا جاتا تھا۔ اب میں نے اس لچکدار۔ اور روشن کرہ کے اندر جس نے کہ سر کو گھیر رکھا تھا۔ میں نے ایک دوسرے سر کی مدھم سی شکل دیکھی۔ لطیف سر کی یہ مدھم شکل زیادہ سے زیادہ صاف ہوتی چلی گئی۔ رفتہ رفتہ یہ اس قدر مکمل اور اس قدر روشن ہو گئی۔ کہ میں اُس پر ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ جب یہ لطیف سر کثیف سر کے اندر سے اس کے اوپر شکل اختیار کر رہا تھا۔ تو میں نے دیکھا۔ کہ کثیف سر میں سے جو دوسرا لطیف عنصر خارج ہو رہا ہے۔ اس میں بڑی حرکت موجود ہے۔ لیکن جب لطیف سر بالکل صاف اور مکمل ہو گیا۔ تو یہ روشن عنصر آہستہ آہستہ جاتا رہا۔ جس طرح لطیف سر بنا تھا۔ اسی طرح میں نے نہایت ہی موزونیت کی حالت میں گردن۔ کندھوں۔ سینہ اور تمام لطیف جسم کو بنتے دیکھا۔ جو نقائص یا بھدا پن مادی جسم میں موجود تھے۔ میں نے دیکھا۔ کہ لطیف جسم میں وہ بالکل دور ہو گئے تھے۔ جب یہ لطیف روحانی جسم بن رہا تھا۔ تو میں صاف طور پر اُس کو دیکھ رہا تھا۔ اس حالت میں کثیف جسم کی بعض حرکات سے

یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ تکلیف میں ہے۔ مگر یہ غلط تھا۔ دراصل یہ حرکات زندگی کے تمام عناصر کے دماغ میں کھیچ آنے کی علامات تھیں۔ جو کہ بعد ازاں لطیف جسم میں منتقل ہو گئے۔ جب روح کا لطیف جسم مکمل ہو گیا۔ تو یہ مادی جسم یا دماغ کے اوپر جو کہ اب مر چکا تھا۔ ایک زاویہ قائمہ بناتا ہؤا کھڑا تھا۔ لیکن پیشتر اس کے کہ روح کا یہ لطیف جسم کثیف جسم کے ساتھ اپنے تعلقات کو ہمیشہ کے لئے کاٹ لیتا۔ میں نے دیکھا۔ کہ اس لطیف جسم کے پاؤں اور مردہ جسم کے سر کے درمیان ایک برقی طاقت کی لہر اپنا عمل کر رہی ہے۔ اس سے مجھے معلوم ہو گیا۔ کہ جس کو موت کہا جاتا ہے۔ وہ دراصل جنم ہے جو کہ روح ایک کثیف جسم سے لطیف جسم میں لیتی ہے۔ اور کہ روح کے کثیف جسم کے بعد اس کو ایک ایسا خوبصورت اور لطیف جسم ملتا ہے۔ جو کہ زیادہ روشن اور خوشی دینے والا ہوتا ہے۔ میں نے یہ بھی دیکھا۔ کہ روح کا کثیف جسم سے الگ ہو کر لطیف جسم یا روحانی دنیا میں داخل ہونا بعینہٖ ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ بچے کا ماں کے پیٹ سے موجودہ دنیا میں جنم لینا ہے۔ یہاں تک کہ جس طرح بچے کی پیدائش کے وقت ماں اور بچے کے تعلق کو ظاہر کرنے والی "نال" موجود ہوتی ہے۔ اسی طرح لطیف جسم اور کثیف جسم کے درمیان وہ نال موجود تھی۔ جو کہ دونوں جسموں کی علیحدگی سے چند منٹ پیشتر لطیف جسم کے پاؤں اور کثیف جسم کے سر کے درمیان موجود تھی۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہؤا۔ کہ لطیف جسم کے کثیف جسم سے علیحدہ ہو جانے کے بہت تھوڑی دیر پہلے زندگی کی ایک برقی رو مُردہ جسم میں واپس چلی گئی۔ اور اس میں پھیل گئی۔ جس سے کہ وہ جسم یک لخت سڑ جانے سے کچھ دیر تک محفوظ رہا۔ میں نے دیکھا۔ کہ روح نے اپنے لطیف جسم کے ساتھ اپنے ارد گرد کے کرے کو اپنے لئے موافق بنانا شروع کر دیا۔ اور ایک ایسی راحت محسوس کی۔ جو کہ روحانی دنیا سے تعلق رکھتی ہے۔ میں نے دیکھا۔ کہ جب اُس کے عزیز واقارب ایک مردہ جسم پر رو رہے تھے۔ تو روح ایک فلاسفرانہ شانتی کے ساتھ اُن کے رونے دھونے میں کوئی دلچسپی نہیں لیتی تھی۔ اے کاش! تم ایک

مردہ جسم کی طرف ہے جو کہ تمہارے رونے دھونے کو نہیں سن سکتا۔ اپنی توجہ کو اس روح کی طرف موڑو۔ اے کاش تمہاری آنکھیں کھل سکیں۔ اور تم اس روح کو اپنے لطیف جسم کے ساتھ موجود دیکھ سکو۔ جو کہ ایک لطیف شکل میں تمہارے درمیان موجود ہے۔ مگر جو کہ نہایت ہی خوش ہے۔ اور پہلے سے زیادہ خوبصورت جسم رکھتی ہے۔ یہ تمام عمل ڈھائی گھنٹے میں مکمل ہو گیا۔ لیکن یہ کوئی کلیہ قاعدہ نہیں ہے۔ کہ ہر ایک روح جسم سے الگ ہو کر اتنے ہی عرصے میں اپنے لئے لطیف جسم کو حاصل کر سکتی ہے۔ اپنی جگہ یا پوزیشن کو بدلنے کی بجائے میں نے اس روح کی حرکات کا بغور مطالعہ کرنا شروع کیا۔ جوں ہی کہ وہ اردگرد کے کُرّے کے ساتھ مانوس ہو گئی۔ وہ فوراً مردہ جسم کے سر سے نیچے اتر کر کمرے کے دروازے میں سے باہر چلی گئی۔ جو کہ بالکل کھلا چھوڑا گیا تھا اور اس کے جانے کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ یہ موسم بہار کا مہینہ تھا۔ میں نے دیکھا۔ کہ وہ کمرے سے باہر نکل کر کھلی ہوا میں چلی گئی ہے۔ میری خوشی اور راحت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جبکہ میں نے پہلی ہی مرتبہ اس بات کا مشاہدہ کیا۔ کہ جس ہوا کو ہم کثیف جسم کے ساتھ سانس لینے کے کام میں لاتے ہیں۔ روح اپنے لطیف جسم کے ساتھ اس ہوا میں قدم رکھتی ہوئی چل سکتی ہے۔ وہ اس کرہ ہوائی میں اسی طرح آرام اور آسانی سے چل رہی تھی۔ جس طرح کہ ہم زمین پر چلتے ہیں۔ جوں ہی کہ روح گھر سے باہر نکلی۔ میں نے دیکھا۔ کہ اُس کی دو سہیلی روحوں نے اس کا استقبال کیا اور تینوں نے ایک دوسرے کو پہچاننے کے بعد نہایت ہی خوشی اور تپاک سے ہماری زمین کے اردگرد پھیلے ہوئے کرہ ہوائی میں بلند ہونا شروع کیا۔ وہ اس کرہ ہوائی میں ایسے قدرتی اور ایک ایسے برادرانہ طریقے پر چل رہی تھیں۔ جیسا کہ کوئی نہایت ہی آنند اور خوشی کے ساتھ ایک خوبصورت پہاڑ کی سیر کر رہا ہو۔ میں اُن کو دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ میری نظر سے اس قدر دور ہو گئیں۔ کہ میں نے اُن کو پھر نہ دیکھا۔ اور میں اپنی معمولی حالت پر آ گیا۔ اوہ! کس قدر زمین و آسمان کا فرق! بجائے اس کے کہ میں اب اس نہایت ہی خوبصورت روح

کو دیکھتا۔ میری نظر اب اس مردہ اور ٹھنڈے جسم کے اوپر پڑی جس میں سے کہ آنند کی تیزی پرواز کر چکی تھی۔ وہ جن کی روحانی آنکھیں کھل چکی ہیں۔ اُن کے لئے یہ انکشافات بہت وزن دار اور شانتی دینے والے ہونگے۔ لیکن وہ جو ظاہر پرست اور مادہ پرست ہیں۔ وہ ان مشاہدات کو ایک مجذوب کی بڑ سمجھینگے۔ مادہ پرست لوگوں کو میں اتنا کہ دینا چاہتا ہوں۔ کہ میں روح کی جسم سے علیحدگی اور اس کے ایک لطیف جسم کے ساتھ قائم رہنے کے متعلق ان روحانی تجربات و مشاہدات کا قائل نہیں ہوں۔ بلکہ میں ایسی باتوں میں قانون قدرت اور دلیل کے سوائے کسی دوسری سند کو نہیں مانتا ہوں۔ بنابریں روح کے غیر فانی ہونے کے متعلق میں انسانوں یا کتابوں کی تعلیم پر تکیہ نہیں لگاتا بلکہ میں قوانین قدرت اور اپنی ترقی یافتہ عقل پر بھروسہ کرتا ہوں۔ میں اس بات کو بطور ایمان کے ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ کہ چونکہ ہم حضرت مسیح کے دوبارہ جی اُٹھنے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس لئے روح بھی ایک غیر فانی چیز ہے میں اس کو ناکافی سمجھتا ہوں۔ اور میں اس بات کو بھی ناکافی سمجھتا ہوں۔ کہ چونکہ فلاں مذہبی کتاب میں روح کے غیر فانی ہونے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس لئے وہ غیر فانی ہے۔ میں ایسی باتوں کو محض فضول سمجھتا ہوں۔ کیونکہ میرے نزدیک وہ لوگ۔ جو کتابوں یا انسانوں اور اُن کی تعلیم پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ ان لوگوں کی ہرگز تسلی نہیں کر سکتے جو کہ قانون قدرت اور دلیل پر چلتے ہیں۔ اس پہلو میں میں اپنے اُن تین نتائج کو بیان کرونگا۔ جو کہ قدرت کے مطالعہ کے بعد میں نے اخذ کئے ہیں۔ اور مجھے امید ہے۔ کہ آپ کی تحقیقات اور دلیل کی طاقت کو ان نتائج پر غور کرنے کا موقع ملیگا۔ میں روح کو مفصلہ ذیل تین وجوہات کی بنا پر غیر فانی مانتا ہوں :-

اوّل۔ قدرت انسان کے جسم کی نشو و نما کا ایک ذریعہ ہے ؞

دوم۔ انسان کا جسم روح کی نشو و نما کا ذریعہ ہے ؞

سوم۔ کائنات کی دوسری چیزوں کی طرح روح بھی نشو و نما پاتی ہے۔ تاکہ وہ اپنی شخصیت کو اُن کرّات میں قائم رکھ سکے۔ جو کہ دائم ہیں ؞

ہر ایک روح میں الٰہی قدرت موجود ہے۔ کہ جس کی بنا پر وہ غیر فانی ہے اور اس کی اس قدرت کو کوئی طاقت نیست و نابود یا مضطرب نہیں کر سکتی یہ وہ مشاہدات ہیں۔ جن سے دنیا بے خبر ہے۔ مگر یہ مشاہدات بالکل صاف ہیں۔ اور یہ انسان کی خوشی کو دوبالا کرنے والے ہیں۔ اخیر میں میں یہ کہونگا۔ کہ موت کوئی ڈر کی چیز نہیں ہے۔ بشرطیکہ یہ طبعی حالت میں واقع ہو۔ اور کسی حادثہ سے نہ ہو۔ موت ایک ایسا رہنما ہے۔ جو کہ روح کو بہتر سے بہتر حالات اور بہتر سے بہتر اور شاندار سے شاندار تعلقات کی طرف لے جا رہا ہے۔ انسانوں کی یہ سخت غلطی ہے۔ کہ وہ ایک روح کے اس زمین سے سفر کرنے کی حالت پر روتے ہیں۔ کیونکہ یہ سفر اگرچہ بیرونی آنکھوں کے نزدیک بہت رنجیدہ اور ناخوشگوار ہے۔ مگر روح کے لئے یہ راستہ نہایت ہی خوشی اور خوشبو سے پُر ہے۔ جس کی آنکھیں کھل چکی ہیں۔ اور جو ایک ازلی صداقت کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑ چکے ہیں۔ اُن کے لئے رنج رنج نہیں ہے۔ اور اُن کے لئے موت موت نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک دائمی زندگی کے وارث ہیں"۔

رام "پیارے شام! انڈرو جیکسن ڈیوس کے مذکورہ بالا مشاہدہ کا مطالعہ کر کے تم اپنے لئے کیا نتیجہ نکالتے ہو؟"

شام "میرے دل میں یہ سوال پیدا ہو رہا ہے۔ کہ روح نے اپنے لئے جو لطیف جسم اختیار کیا اور جس کو انڈرو جیکسن ڈیوس نے دیکھا۔ آیا وہ جسم ان ہی مادی اجزا کا مجموعہ تھا۔ یا کسی غیر مادی اجزا کا؟"

رام "پیارے شام! تمہارا یہ سوال بہت ٹھیک سوال ہے۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ تم مادی اور غیر مادی اجزا کی ماہیت کو بھی سمجھ لو۔ اور تم کو پتہ لگ جائیگا۔ کہ کثیف اجسام لطیف اجسام کا ہی نتیجہ ہیں۔ اگر لطیف اجسام نہ ہوں۔ تو کثیف اجسام کا ظہور نہیں ہو سکتا۔ میں مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ تمہارے سامنے اجسام کی کثافت یا لطافت کے بارے میں مشہور و معروف سائنسٹ مسٹر کیمیل فلیمورین کے بیان کو پیش کر دوں۔ صاحب موصوف کثیف و لطیف اجسام کے مسئلہ کو بدیں الفاظ حل کرتے ہیں:۔

"فزیالوجسٹ ہمیں بتاتے ہیں۔ کہ خیالات دماغ کا نتیجہ ہیں۔ اور کہ دماغ کے بغیر کوئی خیال پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور کہ جب دماغ مرجاتا ہے۔ تو ہمارا بھی کلی طور پر خاتمہ ہوجاتا ہے۔ مگر یہ بات تجربات و مشاہدات کے خلاف ہونے کی وجہ سے غلط ہے۔ ہمیں اس بارے میں آزادانہ تحقیقات کی ضرورت ہے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے۔ کہ آزادانہ تحقیقات کو بہت بُری نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ہر ایک چھوٹے سے چھوٹا دماغ بھی اپنے کچھ نہ کچھ پوشیدہ بھید رکھتا ہے۔ جن کو کہ وہ آزادانہ تحقیقات سے ہوا لگانے سے ڈرتا ہے۔ مثلاً اگر میں یہ کہوں۔ کہ روح کی ابدیت جو کہ فلاسفی کے ذریعے ثابت ہو چکی ہے۔ چشم دید واقعات کی بنا پر بھی ثابت ہونے والی ہے۔ تو بہت سے شکی مزاج میری بات پر ہنسنے لگ جائینگے۔ ایسے لوگوں کو نئی تحقیقات اور نئے تجربات سخت پریشان کر دیتے ہیں۔ وہ اپنے پشتینی خیالات میں کسی قسم کی تبدیلی کے خواہشمند نہیں دیکھے جاتے۔ ان کے نزدیک بنی نوع انسان کی ترقی کی تواریخ محض ناکارہ چیز ہے۔ اُن کے نزدیک محققوں کی تحقیقات اور موجدوں کی ایجادیں تمام کی تمام ایک قسم کے خوفناک جرم ہیں۔ جو کہ اُن کے پہلے خیالات میں انقلاب پیدا کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک انسانی نسل شروع سے ایسی ہی چلی آئی ہے۔ جیسی کہ وہ آجکل دیکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ تار برقی۔ ریل۔ ٹیلیفون وغیرہ شروع دنیا سے موجود چلی آتی ہیں۔ لیکن وہ اپنی اس حالت کو بھول جاتے ہیں۔ جبکہ اُن کے آباو اجداد ننگ دھڑنگ یا بھوج پتر لپیٹے ہوئے جنگلوں میں رہتے تھے۔ وہ بنی نوع انسان کی نئی جد وجہد کی کوئی داد دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ ایسے لوگوں کے علاوہ وہ طبقہ بھی قابل غور ہے۔ جو یہ کہتا ہے۔ کہ ہم کسی ایسی بات کو نہیں مان سکتے۔ جو کہ ہمارے حواس خمسہ سے ہم کو معلوم نہ ہو جائے۔ گزشتہ نصف صدی تک ایسے لوگوں کے خیالات کی حکومت کا دور دورہ رہا۔ لیکن آج ہم کیا دیکھتے ہیں وہی حواس خمسہ جن پر ہم بھروسہ کرتے ہیں۔ ہمیں سخت دھوکہ دینے والے ثابت ہو چکے ہیں۔ مثلاً ہم سورج۔ چاند اور ستاروں کو اپنے ارد گرد چکر لگاتا ہوا دیکھتے ہیں۔ مگر یہ بالکل جھوٹ ہے۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ زمین ساکن ہے۔ لیکن یہ بھی جھوٹ

ہے۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ صبح کے وقت سورج مشرق میں طلوع ہوتے وقت ہم سے نیچے ہوتا ہے۔ لیکن یہ جھوٹ ہے۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ ہم نے فلاں ٹھوس چیز کو چھوا لیکن یہ غلط ہے۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ ہم نے گانے کی آواز سنی۔ مگر یہ غلط ہے۔ کیونکہ راگ بذات خود بے آواز چیز ہے۔ بلکہ ہوا کی حرکات نے ایک بے آواز چیز کو ہم تک پہنچا دیا۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ ہم روشنی میں خوبصورت رنگوں کو دیکھتے ہیں۔ لیکن دراصل نہ روشنی ہے۔ نہ کوئی رنگ۔ یہ تمام بے رنگ ایتھر کی حرکات کے کرشمے ہیں۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ آگ میں جلنے سے ہمارے پاؤں کو دکھ ہوتا ہے۔ مگر پاؤں دکھ محسوس نہیں کرتا۔ بلکہ دکھ کا تعلق ہمارے دماغ سے ہے۔ ہم سردی اور گرمی کا نام لیتے ہیں۔ مگر نہ سردی ہے۔ نہ گرمی۔ بلکہ حرکت کی کمی بیشی کا نام ہی سردی گرمی ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ہمارے حواس خمسہ ہم کو سخت دھوکہ دیتے ہیں۔ کیونکہ حواس خمسہ کا علم کچھ اور ہے اور حقیقت کچھ اور ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ انسانی گیان کے پانچ دروازے ہیں۔ یعنی بینائی شنوائی ذائقہ۔ لمس اور سونگھنے کی قوت۔ جب ان پانچ دروازوں کے ذریعے ہمیں ارد گرد کی چیزوں کا ہی پورا پتہ نہیں لگ سکتا۔ تو جو چیزیں ان سے دور کی ہیں۔ ان کا تو کیا ہی پتہ لگتا ہے۔ سونگھنا۔ چکھنا اور چھونا تو بالکل نامکمل دروازے ہیں۔ آنکھ اور کان کسی قدر اچھے ہیں۔ لیکن دراصل روشنی سے ہی ہم ارد گرد کی چیزوں کا علم حاصل کرتے ہیں۔ اور روشنی بذات خود ہوا کے ذرات کے مسلسل حرکت کرنے کا نتیجہ ہے۔ اس طرح حواس خمسہ کا علم اس چھوٹے سے جزیرے سے مشابہت رکھتا ہے۔ جو کہ ایک بے انتہا سمندر میں واقع ہو۔ جہاں پر کہ جانی گئی اشیاء کی نسبت نہ جانی گئی اشیا بے شمار گنا زیادہ ہوں۔ اس وقت تک جو تجربات و مشاہدات ہو چکے ہیں۔ ان سے یہ ثابت ہو چکا ہے۔ کہ کثیف دنیا کے علاوہ لطیف دنیا بھی موجود ہے۔ اور انسان کے کثیف جسم کے علاوہ اس کا لطیف جسم بھی ہے۔ آؤ۔ ذرا غور کریں۔ کہ انسان کا کثیف جسم کس چیز سے بنا ہے۔ ایک اوسط درجے کے نوجوان آدمی کا وزن ۷۰ سیر ہوتا ہے۔ اس میں ۵۲ سیر پانی ہوتا ہے۔ جو کہ خون یا گوشت میں

موجود ہوتا ہے۔ اب تم جسم کے مختلف رگ وریشہ۔ ہڈی۔ گوشت پوست کا معائنہ کرو۔ تم کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ یہ سب کے سب عضلات آکسیجن نائٹروجن ہائیڈروجن اور کاربانک ایسڈ گیس سے بنے ہوئے ہیں۔ پانی کیا ہے؟ دو گیسوں یعنی آکسیجن اور ہائیڈروجن کا ملاپ ہے۔ ہوا آکسیجن اور نائٹروجن کا ملاپ ہے۔ جس میں کہ کسی قدر رطوبت بھی شامل ہے۔ جو کہ بذات خود منجمد شکل میں آکسیجن ہے۔ اس طرح ہم کو معلوم ہو گیا۔ کہ ہمارا جسم حالت تبدیل کردہ گیسوں کا مجموعہ ہے۔ پہلے خیال تھا۔ کہ اس جسم کے اجزا سات سال کے اندر بالکل تبدیل ہو جاتے ہیں۔ مگر اب معلوم ہوا ہے۔ کہ سات سال نہیں۔ بلکہ چند ماہ میں تمام ذرّات تبدیل ہو جاتے ہیں۔ آج سے تین ماہ پیشتر ہمارے گوشت پوست کے ذرّات موجودہ ذرّات نہیں تھے۔ بلکہ وہ دوسرے ذرّات تھے۔ جو کہ تبدیل ہو گئے۔ ہمارے کندھے۔ ہمارے چہرے۔ آنکھ۔ منہ۔ بازو اور بال اس لگاتار حرکت کرنے والے ذرّات کے دریا کا حصّہ ہیں۔ جو کہ ہر وقت بہتا چلا جا رہا ہے۔ یہ ایک مشعلہ ہے۔ جو کہ نئے سے نئے تیل سے جلتا رہتا ہے۔ پانی کے وہ ذرّات جو آج سے تین ماہ پیشتر ہمارے جسم میں تھے۔ وہ آج ہمیشہ کے لئے اس جسم سے جدا ہو گئے۔ یہ تمام ذرّات منجمد شکل میں گیسوں کا بلکہ ہوا کا مجموعہ ہیں۔ الغرض ہمارا موجودہ کثیف جسم ایک طرح پر ہوا کا جسم ہے۔ جس کے ذرّات تغیر پذیر اور متحرک رہتے ہیں۔ ہمارے کھانے پینے کی تمام اشیاء مثلاً آلو۔ گوبھی۔ سیب۔ ناشپاتی وغیرہ بھی علےٰ ہذالقیاس ہوا کی منجمد اشکال ہیں۔ وہ طاقت جس کو کہ روح کہا جاتا ہے۔ وہ ہوا کے ان ذرّات کو کھانے یا سانس کے ذریعے اپنے جسم کا حصّہ بناتی ہے۔ اور یہی جسم جو کہ ہوا کے ذرّات کا نتیجہ ہے۔ کثیف جسم کہلاتا ہے۔ ہمارا یہ جسم خواہ کتنا بھی کثیف کیوں نہ ہو۔ مگر دراصل وہ ایتھر کے ذرّات سے بنا ہے۔ جن کو کہ روح ایک خاص قانون کے مطابق ایک باقاعدہ شکل میں لاتی ہے۔ مگر روح ایک غیر مرئی چیز ہے۔ جس طرح وہ طاقت غیر مرئی ہے۔ جو کہ کائنات کے مختلف کرّات کو ایک قسم کی ہم آہنگی میں باندھے ہوئے ہے۔ آج سے چند صدیاں پیشتر

یہ خیال تھا۔ کہ جبلم کے جس حصے کو چوٹ پہنچتی ہے۔ وہی حصہ دکھ محسوس کرتا ہے۔ مثلاً انگلی کے درد کی جگہ انگلی ہیں بتائی جاتی تھی۔ بہت سے سادہ لوح لوگ اور بچے اب بھی ایسا ہی مانتے ہیں۔ لیکن یہ غلط ہے۔ کیونکہ دکھ محسوس کرنے کی جگہ دماغ ہے۔ اگر ان پٹھوں کا تعلق جو کہ انگلی اور دماغ کے درمیان ہیں کاٹ دیا جاوے۔ تو خواہ انگلی کو جلا بھی ڈالو۔ کوئی دکھ محسوس نہیں ہوگا۔ فزیالوجی نے اس کو کماحقہ ثابت کر دیا ہے۔ فزیالوجی نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے۔ کہ دماغ اور جسم کے اعضا کے درمیان خبر رسانی کی تاریں اس قدر تیز ہیں۔ کہ وہ ۲۸ میٹر فی سیکنڈ کے حساب کی تیزی سے دماغ میں خبر پہنچاتی ہیں فزیالوجی نے دماغ کو دکھ سکھ محسوس کرنے کا مرکز ثابت کر دیا۔ لیکن فزیالوجی اس سے آگے نہ بڑھی۔ کیونکہ انگلی کی مانند دماغ بھی ایک مادہ ہے۔ جو کہ تبدیلی پذیر اور متحرک ہے۔ اور اس کی اپنی کوئی لاتغیر شخصیت نہیں ہے۔ دماغ کے تمام ذرات میں ایک بھی ذرہ ایسا نہیں ہے۔ جو کہ جسم کے دوسرے ذرات کی طرح بدلتا اور حرکت کرتا نہ رہتا ہو۔ اگر دماغ کے ذرات کی حرکت یا تغیر و تبدل بند ہو جائے۔ تو یہ موت کی علامت ہوگی۔ دماغ بھی جسم کے دوسرے حصوں کی طرح مادہ کے ذرات کی لگاتار لہر پر قیام پذیر ہے۔ پس یہ خیال کرنا کہ ہماری روح دماغ کے ان ہی حرکت و تبدیلی پذیر ذرات کا نام ہے سخت حماقت ہے۔ وہ روح جو کہ اپنی شخصیت کے ساتھ قائم ہے۔ اور وہ روح جو اُن اعمال کی ذمہ واری کو اس وقت بھی محسوس کرتی ہے۔ جو کہ اس نے آج سے دس بارہ یا بیس پچیس سال پیشتر کئے تھے۔ جبکہ اُس وقت کے جسم کے تمام اعضا کے بلکہ خود دماغ کے اس وقت کے ذرات کبھی کے تبدیل ہو گئے ہیں وہ فزیالوجسٹ جو یہ کہتے ہیں۔ کہ روح کوئی علیحدہ شخصیت نہیں ہے۔ بلکہ وہ دماغ کا ہی نام ہے۔ وہ اپنے ان انگھڑ آبا و اجداد کی مانند ہیں۔ جو یہ کہتے تھے۔ کہ دکھ کی جگہ انگلی ہیں موجود ہے۔ گو وہ حقیقت سے زیادہ دور نہیں رہ جاتے ہیں۔ لیکن جب وہ دماغ تک ہی پہنچ کر رہ جاتے ہیں۔ اور دماغ کے ذرات کو ہی سب کچھ مان لیتے ہیں۔ تو کہنا پڑتا ہے۔ کہ وہ روح کی حقیقت

سے بے خبر ہیں۔ اور اُن کی یہ پوزیشن اور بھی قابل افسوس ہو جاتی ہے۔ جبکہ وہ یہ بھی جانتے ہوں۔ کہ دکھ سکھ کا احساس اسی وقت ہوتا ہے۔ جبکہ جسم کے ان ذرّات میں کمی بیشی ہو۔ پس مذکورہ بالا بیان سے سائنس کی بنا پر جو نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ وہ یہ ہیں:۔

اوّل۔ جس قدر یہ کثیف کائنات نظر آتی ہے۔ وہ دراصل لطیف کائنات کا نتیجہ ہے۔ جو کہ غیر مرئی اجزا ہیں +

دوم۔ یہ غیر مرئی اجزا ایک خاص طاقت کے ذریعے باقاعدہ اشکال میں لائے جاتے ہیں +

سوم۔ یہ طاقت ایک لابدی شخصیت ہے۔ اور مادہ کا کثیف ٹھوس یا بھاری ہونا محض نسبتی صفات ہیں۔ وہ کوئی ہستئے مطلق نہیں ہے۔ اور جس کو ہم کثیف مادہ کہتے ہیں۔ وہ ان اثرات کے سوائے کچھ نہیں ہے جو کہ غیر مرئی ذرّات کی لگاتار حرکت ہمارے حواس خمسہ پر ڈالتی ہے۔ اور جب ہم سائنس کے ذریعہ اس مادہ کا پتہ لگاتے ہیں۔ تو یہ بالکل غائب ہو جاتا ہے۔ قانون مطلق جو ہم پر حکومت کر رہا ہے۔ وہ ہماری روح کو اعلےٰ سے اعلےٰ منازل میں پہنچانے کا مقتضی ہے۔ روح جس قدر کثیف اجسام سے الگ ہو کر لطیف اجسام میں چلی جاتی ہے اسی قدر وہ کثیف اجسام کے دکھ سکھ سے بالاتر ہوتی جاتی ہے" +

رام:۔ پیارے شام! میں امید کرتا ہوں۔ کہ مذکورہ بالا بیان سے تمہارے سوال کا جواب مل گیا ہے" +

شام:۔ بے شک میرے سوال کا جواب مل گیا۔ اور میں کثیف اور لطیف اجسام کی فلاسفی کو اب بخوبی سمجھ گیا ہوں" +

رام:۔ پیارے شام! تم ٹھیک کہتے ہو۔ اور تم خوب سمجھتے ہو۔ غالباً اب تم کو آواگون کا بھوت کبھی نہیں ستائیگا" +

شام:۔ آواگون جیسے ناپاک وہم کی تو اب جڑ ہی اکھڑ گئی اب تو مجھے اس فاسد وہم کا نام لیتے وقت بھی کراہیت معلوم ہوتی ہے" +

دسویں فصل

روح کی آئندہ زندگی کی نوعیت

اور

ایک اہم سوال کا جواب

رام - پیارے شام! روح کی آئندہ زندگی کے متعلق تم نے بہت سے تجربات و مشاہدات کا حال سنا - اب تم کو اس مضمون کا مطالعہ کرنا چاہیئے جو کہ مادی سائنس کے مشہور عالم پروفیسر الفرڈ رسل والس نے روح کی آئندہ زندگی کی نوعیت کے متعلق لکھا ہے - اور جو بدیں الفاظ ہے :-

"اس سوال کا جواب کہ آیا جسم سے الگ ہو کر روح اپنی شخصیت کے ساتھ قایم رہتی ہے - یا جسم کے ساتھ ہی فنا ہو جاتی ہے - نہ صرف ہمارے لئے بطور الگ اشخاص کے جاننا ضروری ہے - بلکہ یہ ایک ایسا سوال ہے - کہ جسکا جواب بنی نوع انسان کی آیندہ قسمت کا فیصلہ کن ثابت ہوگا - اگر تمام انسان یہ مان لیں - کہ موجودہ زندگی کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے اور اگر بچوں کے دل پر یہ بات نقش کر دی جاوے - کہ جو کچھ خوشی ہے وہ اسی زمینی زندگی کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے - تو میرے نزدیک بنی نوع انسان کی حالت سخت مایوسی بخش ہوگی - کیونکہ اس صورت میں ان کے دل سے انصاف پسندی - حق پرستی - اور بے غرضی کافور ہو جائے گی - اور ہر ایک بھوکے ننگے - لچے - لفنگے اور خود غرض انسان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوگی - کہ جہاں تک ہو سکے - وہ اس زندگی کو مزے سے گذارنے کے لئے دوسروں کے تمام حقوق کو پائمال کر دے - اس صورت میں انسانی نسل کی آیندہ ترقی کا وہ معیار جو کہ بعض فلاسفروں کیطرف سے ہمارے سامنے

پیش کیا جاتا ہے۔ بہ حیثیت مجموعی انسانوں کے لئے کوئی کوشش کی چیز نہیں رہیگا نا صکر اگر اس بات کو مان لیا جاوے۔ کہ یہہ تمام دنیا مع اُس کے باشندوں کے ہمیشہ کے لئے بالکل نیست و نابود ہو جانے والی ہے وہ فلاسفر جو یہ سنہری تعلیم دے رہے ہیں۔ کہ ہم کو دوسروں کی بھلائی کے لئے کوشش کرنی چاہئے۔ ان کی یہہ تعلیم ان لوگوں کے لئے بالکل بے معنی ہو جائے گی۔ جو روح کو جسم کیساتھ فنا ہو جانے والی چیز سمجھکر اس دنیا کے موجودہ عیش و عشرت میں ہی غرق ہیں یہہ خیال کہ جس طرح ہمارے آباؤ اجداد نے ہماری بہتری چاہی تھی اسیطرح ہم بھی آنے والی نسلوں کی بہتری کا خیال رکھیں۔ بالکل فضول خیال ہو جائیگا۔ جبکہ ہر ایک شخص اپنی ہی خود غرضی میں مست ہوگا۔ اب بھی باوجود اُس مذہبی تعلیم کے جو کہ ہمارے اخلاق پر اثر ڈالے ہوئے ہے۔ خود غرضی کا راج عالمگیر ہو رہا ہے۔ لیکن اگر مذہبی تعلیم کے یہہ نیک اثرات بھی اڑا دیئے جائیں گے۔ اور دنیا بالکل دہریہ بن جائے گی۔ اور لوگوں کو آئندہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں رہیگا تو اس کا لازمی نتیجہ جس کی لاٹھی اسی کی بھینس ہوگا۔ زبردست کمزوروں کو تباہ کر ڈالیں گے اور ظالموں اور بدکرداروں کی بے لگام شہوت پرستی اور خود غرضی کا دنیا میں عالمگیر راج ہو جائیگا۔ مگر خوشی کی بات ہے کہ دنیا میں ایسا جہنم مشکل سے ہی دیکھنے میں آئیگا۔ اس لئے کہ روح کا جسم کے ساتھ ہی فنا ہو جانے کا خیال بالکل لغو اور جھوٹ ہے۔ اور اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ روح جسم سے الگ ہو کر بھی برابر قایم و دایم رہتی ہے دنیا میں بڑے زور شور سے تجربات و مشاہدات کئے جا رہے ہیں۔

۲۔ خیالات کی موجودہ بیسویں صدی میں جبکہ دنیا یا تو بالکل مادہ پرست بن رہی ہو۔ یا بہت سے خداؤں کو مان رہی ہو۔ یا ویدانتی ہو رہی ہو۔ ایسی بیدینی الحاد و دہریت اور مادہ پرستی کے سر پر موجودہ "سپرچولزم" بطور آسمانی گولے یا بجلی کے گرا ہے۔ اور اس نے اس تمام بیدینی۔ الحاد اور دہریت کو چور چور کر کے اس بات کو ثابت کر دیا ہے۔ کہ دماغ کثیف جسم کے بغیر بھی فعل کرتا رہتا ہے اور طاقت بغیر مادی جسم کے بھی اپنا عمل کرتی ہے۔ اور اس پہلو میں آئے دن کے تجربات

ومشاہدات ہر ایک طبقہ کے انسانوں مثلاً اہل سائینس۔ اہل صنعت اور اہل مذاہب کے دلوں پر اپنا سکہ جماتے چلے جارہے ہیں۔ دنیا کی تواریخ میں موجودہ زمانہ نہایت ہی خطرناک مادہ پرستی کا زمانہ ہے۔ اور سوسائیٹی کا ہر فرد اس بات پر فخر کرتا ہے۔ کہ وہ کسی ایسی بات کو تسلیم نہیں کرتا۔ جو کہ مادی سائینس کے مطابق نہ ہو۔ ایسی مادہ پرستی کی حالت میں سپرچولزم بطور ایک ناخواندہ مہمان کے آیا اور اس نے گذشتہ پچاس سال کے عرصہ میں اس خطرناک مادہ پرستی کو پرے دھکیل کر اپنے لئے جگہ بنا لی۔ اب سپرچولزم دنیا کے ہر ایک مہذب ملک میں پھیل رہا ہے۔ اسکا لٹریچر بہت وسیع ہو گیا ہے۔ اس کے کثرت سے اخبارات جاری ہیں اور سپرچولسٹ اصحاب کی سینکڑوں سوسائیٹیاں موجود ہیں اور لاکھوں آدمی ان سوسائیٹیوں کے ممبر ہیں۔ انسانی سوسائیٹی کے تمام طبقوں کے لوگ بادشاہوں سے لیکر معمولی مزدوروں تک سائینس۔ علم ادب۔ اور فلاسفی کے عالموں سے لیکر عام آدمیوں تک سپرچولزم کے سامنے سربسجود ہیں۔ اور کثرت سے ایسے لوگ جو سخت بیدین تھے سپرچولزم کی طاقت نے ان کو سیدھا راستہ دکھایا۔ بڑے بڑے دہریوں۔ اگناسٹکسین اور کٹر سے کٹر مادہ پرستوں کی بداعتقادی کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر سپرچولزم نے ان کو اس بات کا قایل کر دیا کہ موت کے بعد روح قایم و دایم رہتی ہے۔ اور کہ موجودہ مادی دنیا کے علاوہ ایک روحانی دنیا بھی موجود ہے۔ میں نے سپرچولزم کا پینتیس (۳۵) سال تک نہایت ہی غور و خوض کے ساتھ مطالعہ کیا۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ آج تک ایک بھی ایسا شخص دیکھنے میں نہیں آیا جس نے ایک دفعہ سپرچولزم کی تواریخ اور اس کے لٹریچر کا کماحقہ مطالعہ کر لیا ہو اور وہ اُن روحانی تجربات ومشاہدات کا بھی مطالعہ کر چکا ہو۔ جو کہ سپرچولزم پیش کرتا ہے۔ اور اس کے بعد اس نے یہ کہنے کی جرأت کی ہو۔ کہ یہ تمام محض بناوٹ اور جعلسازی ہے۔ بلکہ اس کو اس صداقت کے سامنے سر جھکانا پڑا ہے۔ اور یہ یاد رکھنا چاہئے کہ عام طور پر تعلیم یافتہ اور خاصکر سائنٹفک اصحاب سپرچولزم کا سخت مخالفت کی بنا پر مطالعہ کرنے آتے ہیں اور ان کو یقین ہوتا ہے کہ یہ کوئی ایسی جعلسازی یا مکر و فریب ہوگا کہ وہ فوراً اسکو طشت از بام کر دینگے۔ مگر کامل تحقیقات کے بعد وہ اس کی صداقت

کو تسلیم کرنے کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں چنانچہ پروفیسر ہیر جو کہ ایک مشہور امریکن کیمسٹ ہے آنریبل رابرٹ اوین ـ جو کہ بہت بڑا عالم فلاسفر اور مادہ پرست تھا ـ اور مسٹر کروکس جو کہ موجودہ زمانہ کا اپنی قسم کا اکیلا کیمسٹ ہے اسی طرح بیسیوں ایسے عالم ـ فلاسفر ـ سائینس دان اسی نیت سے سپرچولزم کا مطالعہ کرنے لگے تھے تاکہ وہ اس کو ایک قسم کی جعلسازی ثابت کریں ـ اور انہوں نے چند گھنٹے ـ چند دن ـ یا چند ہفتے تک مطالعہ کر کے جلدی سے نتیجہ نہیں نکالا ـ بلکہ وہ سالہا سال تک نہایت ہی صبر و استقلال کے ساتھ اسکی جانچ پڑتال کرتے رہے ـ نتیجہ یہ ہوا کہ جس قدر زیادہ انہوں نے اس بات کی تحقیقات کی ـ اور ہر ایک قسم کے تجربات اور مشاہدات کی بنا پر انہوں نے اس کا پتہ لگایا ـ اسی قدر وہ اس بات کے قایل ہوتے گئے ـ کہ سپرچولزم ایک سچی سائینس ہے ـ یعنے جسم سے الگ ہو کر انسان کی روح فنا نہیں ہو جاتی ـ بلکہ وہ اپنی انسانی شخصیت کے ساتھ قایم و دایم رہتی ہے ـ بنابرین انہوں نے اعلان کر دیا ـ کہ سپرچولزم نہ تو کوئی جعلسازی ہے ـ نہ ہی کوئی فریب ہے ـ نہ ہی یہ کسی قسم کی باطل پرستی ہے ـ بلکہ ایک عظیم الشان عالمگیر صداقت ہے ـ

یم ـ ان تمام تجربات اور مشاہدات کو جو کہ اس پہلو میں کئے جا چکے ہیں ـ دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ـ ایک تو جسمانی اور دوسرے دماغی ـ ان دونوں قسم کے تجربات و مشاہدات میں من کا عمل دیکھا جاتا ہے ـ پہلی قسم کے تجربات و مشاہدات میں ہم جسمانی باتوں کو لیتے ہیں ـ ان میں اس قسم کی آوازیں شامل ہیں جو کہ معمولی ٹھک ٹھک سے لیکر ایک بڑے بھاری ہتھوڑے کی آواز تک سنی گئی ہیں جبکہ ان آوازوں کا نکالنے والا تجربہ اور مشاہدہ کرنے والوں میں سے کوئی نہیں تھا اس کے بعد جسموں کے وزن میں کمی بیشی ہونے کا تجربہ تھا جو کہ کئی دفعہ کر کے دیکھا گیا ـ اس کے بعد بغیر انسانی ہاتھ کی مدد کے میز ـ کرسی ـ اور گانے بجانے کے آلات کا ایک جگہ سے دوسری جگہ رکھ دینا تھا ـ سب سے زیادہ عجیب یہ بات تھی ـ کہ پھول اور پھل اور بعض صورتوں میں خطوط اور مختلف قسم کی دیگر چھوٹی چھوٹی اشیاء دور دور کے فاصلے سے بغیر انسانی مدد کے لائی گئی تھیں ـ اس سے آگے ہم نے ایسے

تجربات کئے - جو کہ تواریخ میں یادرہیں گے - یعنے انسانی جسم کا ہوا میں معلق رہنا اور اسکا اسی معلق ہونے کی حالت میں کچھ دور تک چلنا - اس سے بھی زیادہ عجیب تجربہ یہ تھا کہ بغیر انسانی ہاتھ کے کئی رسیوں میں گرہیں دی گئیں اور سربمہر صندوق میں سے بغیر قفل کھولنے کے روپیہ نکالا گیا اور ایک ٹھوس دھات کے ٹکڑے کے اندر سے انگوٹھی کو گذار اگیا - حالانکہ اس ٹکڑے میں کوئی ایسا سوراخ موجود نہیں تھا - کہ جسمیں سے انگوٹھی ایک قدرتی طریقہ پر گذر سکی - یہ تمام تجربات نہایت ہی ہوشیار سائنیس دان اور اون کے مددگاروں کے سامنے کئے گئے - میں نے خود اپنی آنکھوں سے دن کے وقت پردہ کی دیوار میں سے چھتری اور رومال کو گذرتے دیکھا - مگر جب پردہ کی دیوار کا ملاحظہ کیا گیا - تو اس میں کوئی سوراخ نظر نہ آیا -

۴ - اس کے علاوہ ہم اُن تجربات پر غور کرتے ہیں جو کہ جسم اور دماغ کا مشترکہ نتیجہ کہے جا سکتے ہیں - مثلاً براہ راست لکھنا اور نقشہ کشی کرنا - یہ ایک ایسا تجربہ ہے کہ غالباً کوئی بھی اسکو کرسکتا ہے یہہ مختلف طریقوں میں دیکھا گیا ہے - مثلاً بالکل کورے کاغذات فرش پر پھینک دئیے گئے - اور جب چند منٹ کے بعد اُن کو دیکھا گیا تو وہ لکھے ہوئے تھے اسی طرح ناقابل گذر مکانات میں چھت سے فرش پر لکھا گیا - اس کے علاوہ بند سلیٹ پر بھی تحریر دیکھی گئی - حالانکہ سلیٹ تجربہ کرنے والے شخص کے سامنے یا اس کے ہاتھ کے نیچے پڑی رہی - اس کے علاوہ چند ایسے مشاہدات بھی ہیں - جن کو کہ موسیقی کے مشاہدات کہہ سکتے ہیں - یعنے موسیقی کے آلات کو بجایا جاتا ہے جبکہ وہ آلات بالکل قفل کے اندر بند ہوتے ہیں - میں نے ایک موسیقی کے صندوق میں آلہ موسیقی کو ایک خاص شخص کی درخواست پر خود بخود بجتے اور پھر بند ہو جاتے سنا ایک نہایت ہی عجیب وغریب مشاہدہ جسکو ہزاروں آدمیوں نے دیکھا - یہ تھا - کہ ایک اکنارہ ایک ہاتھ سے پکڑ رکھا گیا - اور وہ کسی دکھائی دینے والے ہاتھ کی مدد کے بغیر بجتا تھا -

۵ - اس کے علاوہ کیمیکل مشاہدات بھی ہیں - ان میں سے ایک مشاہدہ آگ کے اثر سے محفوظ رہنے کا ہے - مسٹر ڈی - ڈی - ہوم - جو چند سال ہوئے فوت ہو چکے ہیں - جو کہ ایک نہایت ہی اعلےٰ درجہ کے میڈیم تھے - ایک دھکتا ہوا کوئلہ اپنے ہاتھ میں پکڑ

کرکرہ کے اندر لئے پھرتے تھے۔ اور اپنی خاص طاقت کے ذریعہ وہ ایسے اشخاص کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ کہ جن کے ہاتھ میں وہ کوئلہ دبے دیا جاتا تھا۔ اور اس سے اس کو کوئی گزند نہیں پہونچتا تھا۔ ایک دوسرا عجیب و غریب مشاہدہ روح کا اپنے اردگرد کے مادہ سے جسم اختیار کرکے ظاہری شکل میں نمودار ہوتا ہے مسٹر کرکس نے ان مشاہدات کا تجربہ کیا۔ اور ان کے نتایج کو شایع کردیا۔ ان مشاہدات کا نہایت سختی سے امتحان کیا گیا۔ اور کئی ہفتوں تک امتحان کیا گیا۔ تصویریں اتاری گئیں۔ تولا گیا۔ اور ان کو ماپا گیا۔ اس نے اس بات کو جانچنے کے لئے ہر ایک ایسا امتحان کیا جو کہ ایک سائنٹسٹ کرسکتا ہے اور اس نے آخر کار اعلان کردیا۔ کہ یہ درحقیقت بالکل سچی ہستیاں ہیں۔ اور وہی ہستیاں ہیں۔ ان روحانی شخصیتوں کا اس سے بڑھکر ثبوت اور کیا مل سکتا ہے۔ کہ تم ان کی تصویر اتار لو۔ دوسرا عجیب و غریب مشاہدہ یہ ہے۔ کہ یہ روحانی شخصیتیں بعض اوقات عارضی طور پر اپنے اردگرد کے مادہ کو جمع کرکے ہاتھ یا منہ کی شکل ظاہر کرتی ہیں۔ ان ہاتھوں کو ابلتی ہوئی پیرافن میں ڈبویا گیا۔ لیکن ان کو کوئی گزند نہ پہونچا۔ اب ان مشاہدات پر غور کرو۔ جو کہ خود بخود لکھنے کے بارے میں دیکھے گئے۔ یعنے ایک شخص اپنی مرضی کو دخل دیئے کے بغیر لکھتا جاتا ہے۔ اور جو کچھ وہ لکھ رہا ہے اس کا اس کو خود بھی علم نہیں ہوتا۔ اس قسم کی بے شمار تحریریں ہمارے مشاہدہ سے گذریں۔ دوسری قسم کے مشاہدات روحوں کو دیکھنا اور ان سے کلام کرنا ہے۔ جو اشخاص یہ طاقت رکھتے ہیں وہ روحوں کی شکل و شباہت اور ان کے مطالب کو ایسے صاف الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ روحوں کے عزیز و اقارب آسانی سے اس بات کا پتہ لگا سکتے ہیں۔ کہ آیا وہ درست ہے یا نہیں۔ بعض اوقات یہ اشخاص ایسی باتوں کی خبر دیتے ہیں۔ جو بہت سے میلوں کے فاصلہ پر واقع ہو رہی ہوں۔ اور وہ بعض اوقات روح کی مدد سے ایک ایسی زبان میں گفتگو کرنے لگ جاتے ہیں جس کو وہ مطلق نہیں جانتے ہوتے۔ اس قسم کے تجربات اور مشاہدات ہر ایک طبقہ کے مرد اور عورت۔ نوجوان اور بوڑھوں تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ

بینڈیم کی معرفت سے جانچے گئے۔ ان تجربات اور مشاہدات کا لائق سے لائق اہل تفتیش نے امتحان کیا۔ اور ان کو درست پایا۔ ایسی صورت میں یہ کہنا کہ یہ کسی قسم کی دھوکہ بازی ہے۔ بالکل ناممکن امر ہے۔ یہ تجربات اور مشاہدات امریکہ۔ یورپ اسٹریلیا۔ انگلینڈ۔ فرانس۔ سپین۔ روس وغیرہ تمام ممالک میں کئے گئے۔ ان میں کہیں کہیں شخصی اختلاف دیکھا گیا۔ جو اس بات کی علامت ہے۔ کہ وہ ایک ہی بات کی نقلیں نہیں تھیں۔ بلکہ اپنے قدرتی رنگ میں نمودار ہوتے تھے میڈیم خواہ مرد ہو۔ خواہ عورت۔ لڑکا ہو۔ خواہ لڑکی۔ تعلیم یافتہ ہو۔ خواہ غیر تعلیم یافتہ مہذب ہو۔ خواہ غیر تہذیب کا آدمی۔ تمام حالات میں ان تجربات اور مشاہدات کو درست پایا گیا۔ اس سے ہم نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ یہ مشاہدات قدرتی تھے۔ اور کہ یہ اس تعلق کو ظاہر کرتے ہیں۔ جو کہ روح اور جسم کے درمیان ہے۔ یہ تجربات اور مشاہدات صاف طور پر انسانی روح کے بارے میں ہیں۔ جو کہ انسانی حرکات میں اور انسانی خیالات کے ساتھ ہمارے سامنے آتے ہیں ان میں انسانی آواز کا۔ لکھنے اور تفتیش کرنے۔ منطق اور دلیل کے مطابق ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ اس بات کے ثبوت میں کہ کسی متوفی شخص کی روح کو کیونکر اسکی روح سمجھا جا سکتا ہے۔ کافی سے زیادہ شہادتیں موجود ہیں۔ میں یہاں پر ایک مثال اپنے ذاتی تجربہ کی پیش کرتا ہوں۔ میرا ایک بھائی تھا۔ جس کے ساتھ میں نے ابتداء عمر کے سات سال بسر کئے تھے۔ وہ پچاس سال سے زیادہ کا عرصہ ہوا کہ فوت ہو گیا۔ میرے اس بھائی کا لنڈن میں ولیم مارٹن نامی ایک دوست تھا۔ میرے بھائی کا نام ولیم والس تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ میرے بھائی کے دوست کا نام ولیم تھا۔ کیونکہ وہ اسکو ہمیشہ مارٹن ہی کہتا تھا۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ علم نہیں تھا۔ ایک دفعہ جبکہ میں واشنگٹن میں روحانیوں سے کلام کر رہا تھا۔ تو مجھے مفصلہ ذیل پیغام ملا۔

”میں ولیم مارٹن ہوں۔ میں اپنے پرانے دوست کے لئے لکھ رہا ہوں جسکا نام ولیم والس تھا۔ تاکہ تم کو یہ بتاؤں۔ کہ وہ کسی دوسرے موقع پر تم سے ہم کلام ہوگا۔ میں اس بات کو یقینی طور پر جانتا ہوں کہ امریکہ میں میرے اور ایک

دوسرے شخص نے سوائے کسی کو یہ علم نہیں تھا کہ مارٹن میرے بھائی کا دوست تھا۔ اور کسی کو میرے بھائی کا علم نہیں تھا۔ نہ ہی یہ علم تھا کہ وہ کیلے فورنیا میں رہتا تھا۔ اس سے مجھے یقین ہو گیا۔ کہ روح اپنی شخصیت کا بخوبی اظہار کر سکتی ہے۔ سپر چوئیلزم روح کے متعلق ایسے اجسام اور حالات کی واقفیت بہم پہونچاتا ہے۔ جبکہ مادی سائینس قبول کرنے سے جھجکتی ہے۔ سپر چوئیلزم ہمیں بتاتا ہے کہ من بغیر مادہ کے قایم رہتا ہے اور روح کثیف جسم سے الگ ہو کر قایم رہتی ہے اس سے اس بات کی کہ روح جسم کے ساتھ ہی فنا ہو جاتی ہے۔ بڑے زوردار طریقہ میں تردید ہو جاتی ہے اس سے ایک نہایت ہی زبردست ثبوت اس بات کا ملتا ہے کہ وہ جن کو ہم مُردہ سمجھتے ہیں۔ وہ بدستور زندہ ہیں۔ اور کہ ہمارے ایسے عزیز و اقارب ہمارے نزدیک ہی ہیں۔ اگرچہ ہم ان کو نہیں دیکھتے۔ اس سے روح کی آیندہ زندگی کا زبردست ثبوت ملتا ہے۔ جو کہ ایک بڑی ہی شانتی دینے والی سچائی ہے۔ اس سچائی کے بغیر بہت سے انسان شکوک و شبہات کا شکار ہو کر تباہ ہو رہے ہیں"

رامم "پیارے شامم! پروفیسر الفرڈ رسل والس صاحب کے مذکورہ بالا خیال کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے؟"

شامم "میری رائے میں پروفیسر صاحب موصوف کا مذکورہ بالا خیال جو کہ تجربات و مشاہدات کی بنا پر ہے۔ بالکل درست ہے۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ جب تک میرے سامنے روح کی آئندہ زندگی کا معما حل نہیں ہوا تھا۔ میں نہایت ہی اشانت اور شک و شبہات کا شکار تھا۔ لیکن جب سے میرے لئے یہ معما حل ہو گیا ہے۔ میں روح کی آئندہ زندگی کے متعلق تمام شک و شبہات سے آزاد ہو گیا ہوں"

رامم "کیا اب تم کو کتے۔ بلی۔ بندر۔ سوئر یا گھاس پات کے قالب میں جانے کا وہم نہیں ستاتا؟"

شامم "اواگون کے اس نامعقول اور فاسد وہم کی تو میرے دل سے ایسی بیخکنی ہو گئی ہے۔ گویا کہ میں کبھی اس کا قائل ہی نہیں تھا"

گیارھویں فصل

آخری بیان

میں یقین کرتا ہوں۔ کہ اندر کے گزشتہ پرچہ میں اور موجودہ پرچہ میں میں نے اواگون کے بارے میں جو بیان دیا ہے۔ وہ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے بہت کافی ہے۔ کہ اواگون کا وہم ایک بدترین قسم کا وہم ہے۔ میرا خیال ہے۔ کہ میرے اس تمام بیان کو پڑھ کر کوئی بھی صحیح العقل مگر دیانتدار شخص مجھ پر یہ الزام لگانے کی جرأت نہیں کر سکیگا۔ کہ میں نے اواگون کے وہم کو بغیر کسی قسم کی مکمل تحقیقات کے ترک کر دیا۔ میں سمجھتا ہوں۔ کہ وہ لوگ جو یہ کہ رہے ہیں۔ کہ میں کسی قسم کے نسلی یا پیدائشی تعصبات کی بنا پر اواگون کے وہم کے برخلاف لکھ رہا ہوں۔ وہ منصف مزاج۔ حق پسند۔ مگر صحیح العقل اصحاب کے نزدیک اواگون کے بدترین وہم کی طرح ایک قسم کی بدترین ضمیر فروشی کے مجرم قرار دئے جائینگے۔ اس لئے کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے۔ وہ کسی قسم کے مذہبی۔ ملکی۔ نسلی یا پیدائشی تعصبات کی بنا پر نہیں ہے۔ بلکہ علم و عقل اور تجربات و مشاہدات کی بنا پر ہے۔ اور ایک ریشنلسٹ کے نقطہ خیال سے لکھا گیا ہے۔ حالانکہ اس سے پیشتر میں خود بھی اواگون کا قائل تھا۔ اور میں اس بات پر کہ جسم سے الگ ہو کر انسان کی روح اپنی انسانی شخصیت میں قائم و دائم رہتی ہے۔ تمسخر اڑاتا تھا۔ لیکن اب جبکہ اواگون کا وہم علم و عقل اور تجربات و مشاہدات کے سنگین فرش پر گر کر چور چور بلکہ ریزہ ریزہ ہو گیا

ہو۔ تو میں اس پر صرف یہی نہیں کہ کوئی افسوس نہیں کر سکتا۔ بلکہ بطور ایک ریشنلسٹ کے بین حقیقی خوشی محسوس کرتا ہوں۔ اس لئے کہ ریشنلسٹ کی پوزیشن ایک ماتا کی ماری ہوئی ماں کی سی پوزیشن نہیں ہوتی۔ جو کہ اپنے مردہ بچے کو سینے سے الگ کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔ بلکہ اُسکی پوزیشن ایک حقیقت شناس باپ کی سی ہوتی ہے۔ جو اپنے مردہ بچے کو اپنے ہی ہاتھ سے لکڑیوں کے ڈھیر میں رکھ کر جلا کر بھسم کر دیتا ہے۔ تاکہ وہ سڑ کر زیادہ بدبو پھیلانے کا موجب نہ ہو۔ اواگون ایک کمزور بچہ تھا۔ لیکن ریشنلزم کی لپیٹ میں آکر میرے اس ناتوان بچہ کی ہڈی پسلی چور۔ چور ہو گئی۔ اور وہ مر گیا۔ میں نے اپنے اس مردہ بچہ کی لاش کو گود سے لگانے کی بجائے علم و عقل اور تجربات و مشاہدات کی آگ میں رکھ کر بھسم کر دیا۔ تاکہ وہ سڑ گل کر میرے دماغ کو نقصان نہ پہنچائے۔ میں یقین کرتا ہوں۔ کہ میرا یہ فعل ریشنلسٹ اصحاب کے نزدیک قابل تعریف تصوّر کیا جاویگا۔ میں اواگون کو علم و عقل اور تجربات و مشاہدات کے قطعی برخلاف پاکر نہ تو بطور ایمان کے تسلیم کر سکتا ہوں۔ نہ ہی بطور ایک قومی مسئلہ کے مان سکتا ہوں۔ بلکہ میں اپنا یہ مقدس فرض سمجھتا ہوں۔ کہ جس طرح میرا دماغ اس نہایت ہی مضر اور فاسد وہم سے نجات پا چکا ہے اسی طرح میں دوسرے اصحاب کو بھی اس وہم سے نجات دلانے کی کوشش کروں۔ اور میرا یقین ہے۔ کہ میری یہ کوشش بہت سی سعید روحوں کو تاریکی سے نکالنے کا موجب ہو رہی ہے۔ اب میں اس بات کو کہ کثیف جسم سے الگ ہو کر انسان کی روح ایک لطیف جسم کے ساتھ اپنی انسانی شخصیت میں قائم و دائم رہتی اور روحانی آنند سے مسرور ہوتی ہے۔ بطور ایمان کے نہیں مانتا ہوں۔ بلکہ میں اس کو علم و عقل اور تجربات و مشاہدات کے عین مطابق پاکر بطور ایک حقیقت کے یقینی صداقت سمجھتا ہوں۔ اور بطور ایک ریشنلسٹ کے اس بات میں دلی خوشی محسوس کرتا ہوں۔ کہ انسانی روح کی آئندہ زندگی کے مرحلوں

کے بارے میں قرآن مجید نے جو تعلیم دی ہے۔ اگرچہ اواگون کی باطل پرستی کی بنا پر میں نے کبھی زمانے میں اُس پر بڑا تمسخر اڑایا تھا۔ مگر وہ نادر تعلیم آج بیسویں صدی کے ریشنلزم اور سپرچوئلزم کی روشنی میں لفظ بہ لفظ درست ثابت ہو رہی ہے۔ میں یہ اس لئے نہیں کہتا۔ کہ قرآن مجید میرے باپ دادا کی کتاب ہے۔ بلکہ میں آج یہ اس لئے کہتا ہوں۔ کہ روح کی آئندہ زندگی کے بارے میں جس وضاحت اور صفائی کے ساتھ قرآن مجید چھٹی صدی مسیحی سے تعلیم دیتا چلا آ رہا ہے۔ آج یورپ اور امریکہ اپنے تمام علم و عقل۔ تجربات و مشاہدات کے زور سے اسی نتیجہ پر پہنچ رہا ہے۔ جب میں بیسویں صدی کے ریشنلزم اور سپرچوئلزم کو چھٹی صدی کے ریشنلزم اور سپرچوئلزم کے سامنے سربسجود پاتا ہوں۔ تو میرا دل مجھے مجبور کرتا ہے۔ کہ میں بھی اس سجدے میں اُن کے ساتھ شامل ہو جاؤں اور میں صدق دل سے اس بات کا اقرار کروں کہ :۔

ویحق اللہ الحق بکلمٰتہ ولو کرہ المجرمون (پ ۱۱۔ ع ۱۲)

"خداوند قدوس اپنی قدرت کاملہ سے حق و حقانیت کو فتح دیتا ہے۔ خواہ باطل پرستوں کو حق و حقانیت کی فتح سخت ناگوار بھی کیوں نہ لگے"

سچ ہے "جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا" آج علم و عقل۔ ریشنلزم اور سپرچوئلزم کے تجربات و مشاہدات کی سمندری چٹان سے ٹکرا کر اواگون یا باطل پرستی کا فتنہ پاش پاش ہو گیا۔ اور کثیف جسم سے الگ ہو کر روح کا اپنے لطیف جسم کے ساتھ موجود رہنے اور لطیف جسم کی خوشبوں سے محظوظ ہونے کی حقیقت کا نورانی چہرہ ظاہر ہو گیا +

ذالک فضل اللہ یعطیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

کچکول

خالصہ دھرم اور گورو گوبند سنگھ

میں نے لائل گزٹ کے سپتمی نمبر کے لئے "خالصہ دھرم اور گورو گوبند سنگھ" پر ایک مضمون لکھنا شروع کیا تھا۔ جو کہ بڑھتے بڑھتے ایک ہفتہ واری اخبار کے مضمون کی بجائے ایک اچھی کتاب کی ضخامت تک پہنچ گیا۔ اتنا لمبا مضمون ایک ہفتہ وار اخبار میں ایک ہی دفعہ نکلنا سخت مشکل

تھا۔ اس لئے میں نے اُس کو ایک کتاب کی شکل میں نکال لینے کا ارادہ کیا۔ خیال تھا۔ کہ یہ مضمون جنوری کے راندر میں نکل جائیگا۔ لیکن دسمبر کے پرچے کا مضمون ادھورا رہ جانے کی وجہ سے جنوری کے پرچے میں یہ مضمون نہ نکل سکا۔ دسمبر کے پرچے والا مضمون اس قدر وسیع ہو گیا۔ کہ وہ جنوری اور فروری کا پرچہ بھی ہضم کر گیا۔ اس لحاظ سے ''خالصہ دھرم اور گورو گوبند سنگھ'' کا مضمون مارچ کے پرچے تک ملتوی کرنا پڑا۔ مگر چونکہ راندر کا جنوری اور فروری کا پرچہ اکٹھا نکل گیا ہے۔ اس لئے اب ''خالصہ دھرم'' کا مضمون شروع ہو گیا ہے۔ امید ہے۔ جلدی ہی چھپ جائیگا۔ جن اصحاب کے خطوط اس پرچے کے لئے آ رہے ہیں۔ اُن کی خدمت میں التماس ہے۔ کہ پرچہ تیار ہوتے کے ساتھ ہی ان کے پاس بھیج دیا جائیگا۔

راندر کا نیوگ نمبر

راندر کے گزشتہ پرچہ میں نیوگ نمبر کی تیاری کا بھی اعلان کیا جا چکا ہے۔ اُس کی نوبت اب ''خالصہ دھرم اور گورو گوبند سنگھ'' کے مضمون کے بعد آئیگی۔ بعض دوستوں کے اس مضمون کے خطوط آ رہے ہیں۔ کہ نیوگ کے بارے میں انہوں نے مختلف مذہبوں یا سوسائیٹیوں کی طرف سے لکھی گئی بہت سی کتابیں دیکھی ہیں۔ اب وہ نیوگ کے بارے میں ایک ریشنلسٹ کی تحریر دیکھنے کے شایق ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ مجھے۔ بجائے دیگر اصحاب کے مضامین درج کرنے کے تمام پرچہ اپنے ہی قلم سے لکھنا چاہیئے۔ کیونکہ میرے مضمون میں اُن کو خاص لطف ملتا ہے۔ میں اپنے ایسے احباب کی اس بات پر سوچ رہا ہوں۔ کہ آیا نیوگ کے بارے میں ساری تحریر میری ہی ہو۔ یا مختلف اصحاب کی طرف سے ہو۔ اس کا فیصلہ جلدی ہی کر دیا جاویگا۔

میرے نام اور سلام کا دلچسپ سوال

جب سے میں نے آزادانہ تحریریں نکالنی شروع کی ہیں۔ تب سے بہت سے اصحاب زبانی طور پر اور بہت سے بذریعہ خطوط مجھ سے دریافت کرتے رہتے ہیں۔ کہ وہ مجھے نمستے کہا کریں یا سلام۔

اور اب میرا نام دھرم پال لکھیں یا کچھ اور؟ یہ سلام اور نام کا سوال بعض اصحاب کو بہت تنگ کر رہا ہے۔ مجھ سے مختلف مذاہب کے اصحاب ملنے آتے ہیں۔ میرا کوئی حق نہیں ہے۔ کہ میں ایک دیانندی شخص کو یہ کہوں۔ کہ وہ مجھے سلام کہا کرے۔ یا ایک مسلمان بھائی سے یہ توقع رکھوں۔ کہ وہ مجھے نمستے کرے۔ یا ایک ہندو بھائی کو یہ کہوں۔ کہ وہ مجھے "جے دھرم" نہ کہے۔ مجھے جس طریقہ میں کوئی مخاطب کرتا ہے۔ میں اسی طریقہ میں اس کا جواب دے دیتا ہوں۔ اب رہا نام کا سوال۔ یہ بہت دلچسپ سوال ہے گورنمنٹ کے کاغذات میں میرا نام دھرم پال ہے۔ اور اسی نام پر میری طرف سے تمام ڈیکلریشن درج ہیں۔ مگر میرے اپنے کچکول میں، میرا نام بہت "مختصر" سا ہے۔ جن اصحاب نے مئی ۱۹۱۲ء کے اندر کے پرچوں کا مطالعہ کیا ہوگا۔ اُن کو یاد ہوگا۔ کہ "سید القلم۔ مجدد الدین۔ غازی محمود دھرم پال" اسی "پنج تنو" کا مختصر سا نام ہے۔ مگر اب اس میں ایک نام کا اور اضافہ ہوگیا ہے۔ چنانچہ اب میرا مختصر سا نام "سید القلم۔ مجدد الدین۔ ذوالقرنین۔ غازی محمود۔ دھرم پال" سمجھنا چاہیئے۔ غازی محمود میرا جلالی نام ہے اور دھرم پال میرا جمالی نام ہے۔ ذوالقرنین کے متعلق مجھ کو یہ خطاب ہوا ہے:۔

لذ القرنین ان یاجوج و ماجوج مفسدون فی الارض۔
فھل نجعل لک خرجاً علےٰ ان تجعل بیننا و بینھم سداً۔
فما اسطاعوا ان یظھروہُ وما استطاعوا لہ، نقباً ؛

میں نے اس کے معنی یہ سمجھے ہیں۔ کہ :۔

"اے ذوالقرنین۔ غازی محمود! دھرم پال! دیانندی فرقہ نے یاجوج ماجوج کی قوم کی طرح تمام مذہبی دنیا میں فساد مچا رکھا ہے۔ ہم نے تجھ کو تحریر و تقریر کی قوت بخشی۔ تاکہ تو ہمارے برگزیدہ بندوں کی حمایت کرے۔ اور اس یاجوج ماجوج کی طرح مذہبی دنیا کو تنگ کرنے والے دیانندی فرقے کو علم و عقل دلیل و برہان اور تجربات و مشاہدات کی تحریری چار دیواری میں ایسا

جکڑ دے ۔کہ نہ تو وہ اُس کے اوپر چڑھ سکیں ۔اور نہ ہی وہ اُس کو توڑ کر باہر نکل سکیں ۔بلکہ اسی چار دیواری میں اُن کا قافیہ تنگ ہو جائے ؟"

قافیہ تنگ ہونے کا ثبوت

دیانندی فرقہ کا اس تحریری بحث میں جس قدر قافیہ تنگ ہو رہا ہے اُس کے ثبوت میں اُن کے ہی ایک اخبار کی مفصلہ ذیل تحریر پیش کی جاتی ہے:-

جھنگ سیال لکھتا ہے

"ایک عرصہ سے دھرم پال ویدوں کی نندیا پر کمر باندھے ہوئے ہے اور اس سلسلہ میں وہ چار پانچ کتابیں بھی نکال چکا ہے ۔مگر یہ کتنے افسوس اور شرم کا مقام ہے ۔کہ آریہ سماج کی دونوں پارٹیوں کی طرف سے اُس کا کوئی نوٹس نہیں لیا گیا ۔دھرم پال نے اس سلسلے کا نام "دیانندی قلعہ پر گولہ باری" رکھا ہے اور متواتر گولے پر گولا چلائے جاتا ہے ۔آریہ سماج کی طرف سے کئی اخبارات اردو ۔ہندی اور انگریزی میں نکلتے ہیں ۔اور اُن کے ایڈیٹر بھی کچھ کم لکھنے والے نہیں ہیں ۔مگر ہم اُن میں دھرم پال کے جواب کے متعلق ایک حرف بھی لکھا ہوا نہیں پاتے ۔ہاں پرکاش جیسے اخباروں میں دھرم پال کو بعض اوقات گالیاں دی جاتی ہیں ۔لیکن ہم نہیں سمجھتے ۔کہ ان گالیوں سے دھرم پال کا جواب پورا ہو جاتا ہے ۔اس میں شک نہیں کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک زمانہ "اگر آریہ سماج کی طرف سے اُس کا کوئی دنداں شکن جواب نہ دیا گیا" آویگا جب لوگ دھرم پال کی نسبت یہ کہکر کہ اُس نے ویدک دھرم والوں کو لاجواب کر دیا تھا ۔اُس کی کتابوں کو غور سے پڑھینگے اور آریہ سماج کی ہستی خطرہ میں پڑ جاویگی ۔دھرم پال کی چھوٹی چھوٹی کتابیں بھی سم قاتل ثابت ہو کر رہینگی اور ہم صاف لفظوں میں عرض کرتے ہیں کہ آریہ سماج سر پر ہاتھ رکھ کر روئیگا ۔دھرم پال نے اصلی ستیارتھ پرکاش کے نام سے ایک کتاب چھاپ کر سوامی دیانند کی اصلی ستیارتھ پرکاش کا مضحکہ اڑایا ہے ۔دھرم پال نے "وید اور سوامی دیانند" کے نام سے ایک کتاب لکھکر ویدوں کی اچھی طرح گت بنائی ہے ۔دھرم پال نے

"تناسخ چکر اور سوامی دیانند" لکھکر تناسخ کی کھلی اڑائی ہے اور "نیوگ نمبر" چھاپکر ویدک دھرم کی مٹی پلید کرنی چاہتا ہے۔ کیا کسی آریہ سماجی کو ذرا بھی خیال آیا کہ دھرم پال کیسے یہ گولے گیا کچھ ستم ڈھائینگے؟ اخبار پرکاش کو لازم تھا۔ کہ زور شور سے دھرم پال کے اعتراضات کا جواب دیتا۔ ستیہ دھرم پرچارک کا فرض تھا کہ دھرم پال کا اپنی پرزور لیکھنی سے منہ بند کر دیتا۔ آریہ گزٹ کی ڈیوٹی تھی کہ دھرم پال کو ویدک دھرم کی سچائیوں سے لغزش کھانے نہ دیتا۔ مگر آج کیا ہے دھرم پال نہ صرف یہ کہ خود ویدوں سے منکر ہو گیا ہے بلکہ ویدوں کی مٹی بھی پلید کرنے پر تلا ہوا ہے اندریں حالات اگر آریہ سماج کی ہستی خطرہ میں پڑ رہی ہے تو کوئی تعجب نہیں کرنا چاہیئے۔" (جھنگ سیال)

مذکورہ بالا تحریر میں صرف اس قدر نوٹ دینا چاہتا ہوں۔ کہ میں نے جو ستیارتھ پرکاش اردو میں شائع کیا ہے وہ کوئی فرضی کتاب نہیں ہے بلکہ سوامی دیانند کی اصلی ستیارتھ پرکاش مطبوعہ بنارس سنہ ۱۸۷۵ء ہے۔ میں نے "وید اور سوامی دیانند" میں ویدوں کی گت نہیں بنائی۔ بلکہ واقعات کی بنا پر ویدوں کو غیر الہامی ثابت کیا ہے میں نے "تناسخ چکر اور سوامی دیانند" میں تناسخ کی کھلی نہیں اڑائی بلکہ علم و عقل۔ دلیل و برہان اور تجربات و مشاہدات کی بنا پر نہایت ہی متانت اور سنجیدگی سے اس مسئلہ کو زہر قاتل ثابت کیا ہے۔ نیوگ بذات خود "ویدک دھرم" کی مٹی پلید کرنیوالا مسئلہ ہے۔ میں نے اس کی مٹی کیا پلید کرنی ہے ہاں دیانندی فرقہ کے مکہ اور مدینہ کی چار دیواری پر ویدک دھرم کے جھنڈے گاڑنیکے خیالی قلعہ کو میں اپنی گولہ باری سے بیخ و بن سے ضرور ہلا رہا ہوں۔ اور میں اس کو اپنا مقدس فرض سمجھتا ہوں۔ دیانندیوں کو چاہیئے کہ وہ مکہ اور مدینہ کی چار دیواری پر ویدک دھرم کا جھنڈا گاڑنیکی کوشش کرنیکی بجائے پہلے بطور تجربہ کے میرے دل پر تو اُس کی جھنڈی گاڑ کر دیکھ لیں۔ کیونکہ خداوند قدوس نے مجھے مکہ اور مدینہ والوں میں پیدا کر کے دیانندیوں کے اسی تجربہ کیلئے اُن کی طرف مامور کر کے بھیجا ہے۔ اگر اُن کی جھنڈی کے اسی تجربہ میں پرخچے اڑ گئے۔ تو وہ مکہ اور مدینہ کے راستے کے بدوؤں کی زد و کوب سے بچ رہینگے۔ اس تجربہ کے لئے اُن کو میرا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔

خوش رہو

معلوم ہوتا ہے میرے دیانندی بھائیوں کو غازی محمود کا نام بہت پسند آیا ہے چنانچہ وہ اپنے پرائیوٹ خطوط میں مجھے اسی نام سے پکارنے لگ گئے ہیں چونکہ مجھے بھی اپنے دیانندی بھائیوں کی خاطر منظور ہے۔ اس لئے میں نے اندر کے سرورق پر اس نام کو بھی چسپاں کر دیا ہے۔ تاکہ دیانندی بھائی اور زیادہ خوشی حاصل کر سکیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ میں نے دھرم پال کا نام ترک کر دیا ہے۔ یا میں اب آریہ سماجی نہیں رہا۔ ہرگز نہیں بلکہ میں اب بھی سولہ آنے آریہ سماجی ہی ہوں۔ اس لئے کہ میں آریہ سماج کے دس اصولوں کو مانتا ہوں۔ گو ان کی تشریح میں اپنے الفاظ میں کرتا ہوں؛

دیانندی بھائیوں کا بہی خواہ

دھرم پال غازی۔ کٹر آریہ سماجی

مسلمانو! کہاں ہو!

مسلمانو! کیا تم اس معجزہ کو نہیں دیکھتے ہو۔ جو تمہارے سامنے ہو رہا ہے وہ دیانندی فرقہ جو مکہ اور مدینہ کی دیواروں پر باطل پرستی کا جھنڈا گاڑنے اور ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں کو ہضم کر جانے کا خواب دیکھا کرتا تھا۔ آج تمہارے ایک ہی شیر نیستان کے سامنے اس قدر کانپ رہا ہے۔ کہ اس کی طرف آنکھ تک اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ حالانکہ وہ ڈنکے کی چوٹ لکھ رہا ہے۔ کہ میں آریہ سماجی ہوں۔ میں آریہ سماج کے دس اصولوں کو مانتا ہوں۔ آؤ بحث کرو۔ مگر چناں خفتہ اند کہ گوئی مردہ اند۔ مسلمانو! اسلام کی عظمت کو محسوس کرو۔ کہاں تمہارا وہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا قومی گیت۔ جس نے مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک تم کو ایک ہی اخوت میں منسلک کر رکھا ہے۔ اور کہاں یہ گروہ جو ابھی تک اس بات کی تعریف بھی نہیں بتا سکتا۔ کہ آریہ سماجی کون ہے یا ہندو کون؟ اس مُردہ فرقہ کی حالت پر نظر مارو۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ میں آریہ سماجی ہوں۔ لیکن وہ اس بات کو سنکر ایک سرسام زدہ انسان کی طرح چیخ پڑتے ہیں کہ نہیں نہیں تم آریہ سماجی نہیں ہو۔ اس لئے کہ تم نیوگ کو نہیں مانتے ہو۔ مسلمانو! کیا یہی مُردہ گروہ تم کو ہضم کرنے کے لئے دوڑتا تھا۔ کیا اسی بھوت سے تم ڈرا کرتے تھے۔ دیکھو! یہ جادو کی لکڑی تمہارے سامنے ٹوٹی پڑی ہے۔ کیا یہ ایک معجزہ نہیں ہے؟ کیا یہ "یحق اللہ الحق بکلمتہ ولو کرہ المجرمون" کی بین تصدیق نہیں ہے؟ کیا یہ "جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا" کی زبردست شہادت نہیں ہے؟ دھرم پال

دیانندی قلعہ پر گولہ باری

۱۔ وید اور سوامی دیانند۔ یہ وہ کتاب ہے جس نے دیانندی قلعے کو بیخ و بن سے ہلا دیا ہے۔ اس میں نہایت ہی متانت اور سنجیدگی سے سوامی دیانند کے ہی الفاظ میں ویدوں کو بدترین کتب ثابت کیا گیا ہے۔ بالکل لاجواب کتاب ہے۔ **قیمت ۶/+**

۲۔ تناسخ چکر اور سوامی دیانند۔ اس لاجواب کتاب میں تناسخ کے نہایت ہی فضول وہم کے ایسے پرخچے اڑائے گئے ہیں۔ کہ باید و شاید۔ قابل دید کتاب ہے۔ **قیمت ۱۲/**

۳۔ اصلی ستیارتھ پرکاش مطبوعہ بنارس سنہ ۱۸۷۵ء۔ یہ وہ کتاب ہے۔ جو پہلے سو روپیہ خرچ کرنے پر بھی نہیں ملتی تھی۔ مگر ایڈیٹر اندر نے اس کو ہندی سے اردو میں شائع کر دیا ہے۔ اس کتاب میں سوامی دیانند نے گوشت خوری۔ جانوروں کی قربانی۔ گائے بیل کے مارنے اور شرادھ وغیرہ مسائل کے حق میں جو دلائل پیش کی ہیں۔ وہ نہایت ہی زبردست اور قابل مطالعہ ہیں۔ **قیمت ۸عہ/+**

۴۔ یجر وید بھاشیہ اردو۔ سوامی دیانند نے یجروید کا جو ترجمہ کیا ہے۔ ایڈیٹر اندر نے اس کو اردو کا جامہ پہنا دیا ہے۔ تاکہ ہر ایک کس و ناکس کو اس بات کا پتہ لگ سکے۔ کہ ویدوں میں ایسا کیا کچھ بھرا پڑا ہے۔ جس کو ہمارے دیانندی بھائی پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ نہایت ہی دلچسپ معموں اور رازوں کا مجموعہ ہے۔ **قیمت عہ/**

ملنے کا پتہ :- **مینجر اندر۔ لاہور**

ایڈیٹر اندر کی دیگر دلچسپ تصانیف

۱۔ لطف زندگی۔ نہایت ہی مفید کتاب ہے۔ **قیمت ۶/+**

۲۔ دھرم بلیدان۔ ایک عیسائی خاتون کی دردناک کہانی۔ **قیمت ۱/+**

۳۔ لائیکرگس رشی قوانین۔ سپارٹا کی تواریخ کا ایک ورق۔ **قیمت ۲/+**

۴۔ دھرم اپدیش۔ ہندی میں دلچسپ مطالعہ۔ قابل دید۔ **قیمت ۴/+**

۵۔ ورشیہ لتا حصہ اول و دوم۔ ان کتابوں میں سبق آموز باتیں۔ امور خانہ داری کے دلچسپ نظارے ہیں۔ قیمت فی حصہ ۶/+ ملنے کا پتہ :- **مینجر اندر۔ لاہور**

[illegible] کے اہتمام سے [illegible] دھرم پال [illegible] پبلشر کیلئے چھپا اور شائع ہوا